شہری

برائے بہتر ماحول

جنوری تا جون 2007ء

اندرونی صفحات میں

- شہری سرگرمیاں
- تونسہ بیراج بے شمار مسائل......
- سمندری پانی کو صاف کرنے کا منصوبہ
- گندآب کی صفائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے۔۔۔۔۔مارگریٹ میڈ

کاغذی کارروائی: آزادیٔ اطلاعات ایکٹ

شہری نے آزادیٔ اطلاعات ایکٹ کو بہتر حاکمیت کے لیے احسن اقدام قرار دیا تھا، لیکن زمینی حقائق اور بدلتی ہوئی صورتحال میں یہ سب محض کاغذی کارروائی دکھائی دیتی ہے

شہری نے آزادی اطلاعات و معلومات کے تصور، اہمیت اور اصولوں کو اجاگر کیا ہے اور پاکستان میں آزادیٔ معلومات سے متعلق قانونی عمل کے تاریخی ادراک کی نشاندہی کی ہے۔ عوامی اداروں کے ریکارڈ میں موجود معلومات تک محدود رسائی کا حق ہر شہری کو حاصل ہے۔ آزادی اطلاعات سے مراد ایک ایسی صورتحال ہے جہاں شہری سرکاری محکموں اور عوامی اداروں سے باآسانی اطلاعات موصول کر سکتے ہیں۔ عام طور پر ان میں شامل ہیں:

- سرکاری محکموں اور عوامی اداروں کی جانب سے روکی جانے والی اطلاعات کے حصول کا حق۔
- عوامی اداروں کی جانب سے کیے جانے والے ان فیصلوں کی وجوہات جاننے کا حق جن سے وہ متاثر ہوتے ہوں اور خود سے متعلق ایسی معلومات جو غلط، نامکمل یا گمراہ کن ہوں۔ انہیں درست اور تازہ ترین کرانے کا حق۔

کیا آزادی اطلاعات ایک انسانی حق ہے؟

اطلاعات تک رسائی کا حق بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک ہے اور یہ حقوق انسانی کے بین الاقوامی ڈیکلریشن (1948) بین الاقوامی میثاق برائے شہری و سیاسی حقوق (1976) اور اقوام متحدہ کے رہنما خطوط برائے تحفظِ صارفین (1985) میں شامل ہے۔

آزادیٔ صحافت پر نئی قدغن اور تلافی

میڈیا کو کنٹرول کرنے کے حکومتی اقدامات کے تحت صدر مملکت نے پیمرا کا ترمیمی آرڈی نینس 2007ء جاری کردیا ہے جو فوری نافذ العمل ہوگا۔ آرڈی نینس میں 11 ترامیم کی گئی ہیں جن کے مطابق پیمرا کو 39۔اے سیکشن کے تحت قواعد سازی کا اختیار ہوگا اور وہ نجی ٹی وی چینلز کے لائسنس معطل، غیر قانونی ٹرانسمیشن پر نشریاتی آلات ضبط اور ادارے کی عمارت کو سیل کر سکے گا۔ آرڈی نینس موبائل ٹی وی اور انٹرنیٹ پر بھی لاگو ہوگا۔ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی کو ڈی ٹی ایچ کے ساتھ آئی پی ٹی وی اور موبائل ٹی وی کے لائسنس جاری کرنے کا اختیار بھی دے دیا گیا ہے۔ سب سیکشن 6 میں ترمیم کے تحت خلاف ورزی پر جرمانے کی رقم ایک ملین روپے سے بڑھا کر دس ملین روپے کردی گئی ہے۔ (باقی صفحہ 3 پر ملاحظہ فرمائیے)

Freedom of Information: First among all rights

Courtesy: FNst

آزادیٔ اطلاعات کی قانون سازی

دنیا بھر کے 68 ممالک نے آزادی اطلاعات کے قوانین وضع کیے ہیں سویڈن وہ پہلا ملک تھا جس نے 1766ء میں آزادی اطلاعات کا قانون بنایا۔ جنوبی ایشیا میں پاکستان اور بھارت صرف دو ایسے ممالک ہیں جنہوں نے آزادی اطلاعات و معلومات کے قوانین وضع کیے ہیں۔

پاکستان میں آزادی اطلاعات کی قانون سازی کی مختصر تاریخ

پاکستان میں آزادی اطلاعات کی قانون سازی کے لیے کئی کوششیں کی گئیں کشادگی۔ کھلے پن اور شفاف پن کی جانب بین الاقوامی رجحانات کو تسلیم کرتے ہوئے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران آزادی اطلاعات کے قوانین کو متعارف کرانے کی متعدد کوششیں ہوئیں جن کا مقصد سرکاری محکموں میں احتساب اور شفاف پن کو فروغ دینا تھا۔ درج ذیل میں ان کوششوں کا مختصر سا جائزہ دیا پیش ہے۔

1990ء

جماعت اسلامی کے نائب امیر اور سینیٹر پروفیسر خورشید احمد نے اس سلسلے میں پہلی مرتبہ قدم اٹھایا اور 1990ء میں آزادی اطلاعات پر ایک بل سینٹ میں پرائیویٹ بل کی حیثیت سے پیش کیا گیا جس کی شدید مزاحمت کی گئی چنانچہ یہ بل قانون بننے میں ناکام رہا۔

1994ء

سینیٹر ملک قاسم کی سربراہی میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹی نے 1994ء میں دوسری مرتبہ کوشش کی۔ کمیٹی کے تیار کردہ آزادی اطلاعات و معلومات کے اس بل کی نوکرشاہی کی جانب سے شدید مزاحمت ہوئی اور یہ بل قانون کی صورت نہ اختیار کر سکا۔

1997ء

عبوری حکومت کا دور تھا اور ملک معراج خالد سربراہ حکومت تھے۔ وفاقی وزیر قانون فخرالدین جی ابراہیم نے اس سلسلے میں پیش رفت کی۔ آزادی اطلاعات کی قانون سازی کی جانب یہ ایک بڑا قدم تھا۔ صدر پاکستان نے 29 جنوری 1997ء میں آزادی اطلاعات و معلومات کا ایک آرڈی نینس جاری کیا۔ لیکن بعد میں آنے والی میاں نواز شریف کی حکومت نے اس آرڈی نینس کی میعاد کو گزرنے دیا اور اسے قانون نہیں بنایا۔

2000ء

جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے آزادی اطلاعات کا ایک بل عوام کے سامنے پیش کیا جس کا مقصد عوام کے خیالات اور آرا کو طلب کرنا تھا۔

2001ء

سی آر سی پی ایک قومی غیر منافع بخش تنظیم ہے جس نے حکومت کو ایک ماڈل آزادی اطلاعات ایکٹ کی تجویز پیش کی اور آزادی اطلاعات و معلومات پاکستان کی ایک مہم کا آغاز کیا۔

2002ء

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے اکتوبر 2002ء میں آزادی اطلاعات کا آرڈی نینس نافذ کیا جس کا اطلاق وزارتوں، ملحقہ محکموں اور اداروں اور وفاقی حکومت کے اداروں اور کمیشن پر ہوتا ہے۔ یہ مقامی حکومتوں یا صوبائی عوامی اداروں پر لاگو نہیں ہوتا۔

2006ء

گورنر سندھ نے 2006ء میں سندھ میں آزادی اطلاعات کے آرڈی نینس کے نفاذ کا حکم دیا۔ ✱ ✱ ✱

آئین پاکستان 1973ء میں آزادی اطلاعات و معلومات کو علیحدہ آئینی حق کی حیثیت سے نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ یہ 'اظہار کے حق' میں شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی فرد اس وقت تک اظہار خیال نہیں کر سکتا جب تک اسے اطلاعات حاصل نہ ہوں۔ یہ صورت حال محمد نواز شریف بمقابلہ صدر پاکستان مقدمے میں واضح طور پر بیان ہے اس مقدمے میں سپریم کورٹ نے قرار دیا تھا کہ شہریوں کے حصول معلومات کے حق کو آزادی اظہار سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے جس کی ضمانت آئین کے آرٹیکل 49 میں دی گئی ہے۔

آزادی اطلاعات کے آرڈی نینس 2002 کے نفاذ کے بعد اب یہ پاکستان کے شہریوں کا ایک قانونی حق ہے کہ وہ چند استثناء کے ساتھ سرکاری محکموں اور عوامی اداروں میں رکھے گئے ریکارڈ اور اطلاعات کو حاصل کر سکتے ہیں اس قانون کی غیر موجودگی میں شہری ایک قانونی حق کی حیثیت سے معلومات کو حاصل کرنے کے حقدار نہیں تھے۔

آزادی اطلاعات کیوں اہم ہے؟

- اچھی حاکمیت اور جمہوری ترقی کے لیے اطلاعات تک عوامی رسائی اہم اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔
- یہ شہریوں کو ان کی زندگی کو متاثر کرنے والے فیصلوں میں شرکت کی اجازت دیتی ہے۔
- یہ شہریوں کو حکومت کی کارکردگی پر نظر رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ جس سے وہ مزید جواب دہ ہوگی۔

شہری

جی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس
کراچی۔ 75400، پاکستان
ٹیلی فون/ فیکس 92-21-453-0646
92-21-438-2298
E-mail: Shehri@cyber.net.pk
(Web site) www.shehri.org

ایڈیٹر : نسرین بیگم

انتظامی کمیٹی:
چیئر پرسن : رونالڈ ڈی سوزا
وائس چیئر پرسن: ایس رضا علی گردیزی
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : شیخ رضوان عبداللہ
ارکان : خطیب احمد، ڈیرک ڈین، حنیف اے ستار

شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر : سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: ریحان اشرف

بانی ارکان:
نوید حسین، قاضی فائز عیسیٰ
حمیرالرحمن، دانش آذر زوبی
زین شیخ، خالد ندوی، قیصر بنگالی

قلمکاروں کی ضرورت:
شہری نیوز لیٹر طلبا، ماہرین ماحولیات/تعمیرات اور ماحولیات میں دلچسپی رکھنے والے شہریوں میں مقبول ہے۔ آپ بھی 'شہری' کے لیے لکھیے۔ اس ضمن میں معلومات کے لیے 'شہری' کے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔
شہری کی رکنیت ''شہری برائے بہتر ماحول'' کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر/ ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن:
حیاء الدین حیات
پروڈکشن: انٹر پریس کمیونی کیشن (IPC)
مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
رکن IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

بقیہ: صحافت پر نئی قدغن اور تلافی

پیمرا کو نشریاتی اداروں کو شوکاز نوٹس دیئے بغیر اس کا لائسنس معطل کرنے کا اختیار بھی دے دیا گیا جو اس سے پہلے پیمرا کو حاصل نہ تھا۔ سب سیکشن ایک کے تحت اتھارٹی کے ارکان پر مشتمل کمیٹی لائسنس معطل کرسکتی ہے۔ ترمیمی آرڈیننس کے ذریعے سیکشن 39 کے بعد نیا سب سیکشن 39-A ڈالا گیا ہے جس کے تحت پیمرا سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے ضروری قواعد وضوابط بنا سکے گا تاکہ آرڈی ننس کے مقاصد جلد حل کیے جاسکیں۔

امر واقع یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے قابل تعریف اقدامات میں میڈیا کو دی جانے والی آزادی بھی شامل تھی اور اس سلسلے میں حکومت کی فراخدلی کا اعتراف اندرون ملک اور بیرونی ممالک میں بھی کیا جاتا رہا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ میڈیا کو اتنی آزادی حاصل تھی اور حکومت کے لیے یہ بات ایک خصوصی امتیاز کا درجہ رکھتی ہے 50,45 کے لگ بھگ پرائیویٹ ٹی وی چینلز کو نشریات کی اجازت دی گئی جبکہ مزید چینلز کے اجراء کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ صدر مملکت بڑے فخر کے ساتھ نجی ٹی وی چینلز کے حوالے سے اپنی فراخ دلانہ پالیسی کا ذکر کرتے رہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جہاں اس حقیقت کا تذکرہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ جب سے ملک میں عدالتی بحران نے جنم لیا اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا تو پہلے حکومت کی طرف سے اس بحران پر مبنی حالات وواقعات کی کوریج پر اظہارِ ناراضگی اور تنقید کا عنصر تیزی کے ساتھ نمایاں ہوتا رہا اور اب نشریات پر باقاعدہ پابندی لگادی گئی ہے۔ بعض چینلز نے میڈیا کی آزادی کے نام پر منفی کردار ادا کیا اور اگر ان کا یہ کردار جاری رہا تو قومی مفادات میں ان کی نشریات بند کردی جائیں گی۔ اب پیمرا کے ترمیمی آرڈی ننس کے تحت 11 ترامیم کے بعد حکومت یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اس نے میڈیا کو مثالی آزادی دے رکھی ہے کیونکہ ان ترامیم سے یہ تاثر کھل کر سامنے آگیا ہے کہ حکومت میڈیا پر کنٹرول بڑھانے کا عزم راسخ کیے ہوئے ہے۔ حکومت کے اس اقدام پر ملک کے مختلف سیاسی، مذہبی وسماجی حلقوں نے آزادی صحافت کی جنگ میڈیا کے شانہ بشانہ لڑنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مہذب معاشرے میں اس طرح کے اقدامات کی مثال نہیں ملتی۔ میڈیا پر پابندیاں لگانے والے اپنی ساکھ کھوچکے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ معروضی صورتحال میں اگر حکومت اپنی پالیسی کے تحت ٹکراؤ کے راستے پر چلتی رہی تو اس سے نقصان حکومت ہی کا ہوگا کیونکہ پہلے ہی ملک اور بیرونی ممالک میں اور محدود جمہوریت پر نکتہ چینی کی جارہی ہے۔ ویسے بھی ملک میں امن وامان کے استحکام اور سال رواں کو انتخابات کا سال قرار دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ حکومت اور میڈیا کے درمیان تعلقات خوشگوار رہیں۔

یہ بات یقیناً حکومت کے علم میں ہوگی کہ ایسے سیاہ قوانین اور صحافت پر پابندیوں کے خلاف مالکان اخبارات اور کارکن صحافیوں کی تنظیمیں 60 کے عشرے سے احتجاج کرتی آئی ہیں۔ ایوب خان کے دور میں نافذ کیا جانے والا پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈی ننس مجریہ 1964ء ان کے احتجاج کا ہدف تھا جسے ان کی طویل جدوجہد کے بعد 1988ء میں منسوخ کیا گیا اور تمام حلقوں نے اس کا دلی خیر مقدم کیا۔ بلاشبہ موجودہ حکومت نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کو نہ صرف آزادی دی بلکہ اس آزادی کو برقرار رکھنے کا بھی اہتمام کیا اور ٹی وی چینلز کو بڑی تعداد میں نشریات شروع کرنے کی اجازت دی گئی۔ میڈیا کی آزادی کی ضروریات اور اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے ایسے حالات میں میڈیا پر پابندی کے اقدامت نہ صرف موجودہ حکومت کی مشکلات میں اضافے کا باعث بنیں گے بلکہ حکومت کی جانب سے ماضی میں کیے جانے والے اچھے اقدامات پر بھی پانی پھیر کر رکھ دیں گے۔ آئین ہر شہری کو اظہار رائے اور معلومات جاننے کا حق دیتا ہے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔

تلافی

پیمرا ترمیمی آرڈی ننس واپس لے کر صدر پرویز مشرف نے وہ وجہ ختم کردی ہے جس کے باعث حکومت اور میڈیا کے درمیان ایک غیرضروری محاذ آرائی شروع ہوئی۔ جنرل پرویز مشرف اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ کچھ ذمہ دار شخصیات کے درمیان ہونے والی بات چیت کے نتیجے میں میڈیا خود ایک ضابطہ اخلاق تیار کرے گا اور اس پر عمل درآمد کا ذمہ دار بھی ہوگا۔

وفاقی وزارت اطلاعات کے ذمہ داران یہ تاثر دے رہے ہیں کہ انہیں پیمرا ترمیمی آرڈی ننس کے بارے میں کوئی پیشگی اطلاع نہ تھی۔ یہ تاثر درست نہیں۔ اب جبکہ صدر پرویز مشرف صاحب نے یہ قانون واپس لے لیا ہے تو وزارت اطلاعات اور پیمرا کے ذمہ داروں کو بھی اپنے رویئے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان غیرسیاسی اداروں کو بھی اپنا طرزِ فکر تبدیل کرنا چاہیے جن کے احکامات کو انہی کے انداز میں وزارت اطلاعات اور پیمرا نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ✱ ✱ ✱

آزادی اطلاعات مندرجہ طریقوں پر لوگوں کی زندگی کو بہتر بناسکتی ہے:

1- کم بدعنوانی۔ زیادہ شفاف پن

بدعنوانی رازداری کے اندر پرورش پاتی ہے۔ افراد اور ادارے اس وقت بدعنوان ہوتے ہیں جب ان کی کارکردگی عوامی جانچ و پڑتال سے اوجھل ہوتی ہے۔ وہ جس قدر زیادہ عوام کی نظروں میں رہ کر کام کریں گے بدعنوانی اتنی ہی کم ہوگی اور بہتر صلاحیت اور موثر کارکردگی کا اظہار کریں گے۔

2- بھوک سے آزادی

دیکھنے میں یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ بھوک سے آزادی کو آزادی معلومات سے منسلک کردیا جائے لیکن نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات امرتیا سین یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ قحط سالی اور بھوک ان ممالک میں رونما نہیں ہوتی جہاں صحافت آزاد ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قحط حکومت کی بے عملی کی وجہ سے آتا ہے۔ اگر حکومت مستقل طور پر میڈیا کے زیرنظر ہو تو وہ اس جیسے اہم موضوع پر بے عمل رہنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔

3- ایک صحت مند معاشرہ

یہ بات بھی شاید تعجب خیز نظر آئے کہ آزادی اطلاعات ایک صحت مند معاشرے میں اپنا کردار کس طرح ادا کرتی ہے۔ لیکن ان ممالک میں جہاں مختلف عوامی دلچسپی کے امور پر اطلاعات آسانی سے حاصل ہیں وہاں ردعمل پُرزور اور مضبوط ہوتا ہے اور عوامی نقصان کی شدت کم سے کم ہوتی ہے۔ مثلاً ایچ آئی وی۔ ایڈز انفیکشن بہت تیزی سے پھیلا کیونکہ اس وائرس اور اس سے بچاؤ کے طریقوں کے بارے میں اطلاعات کا حصول عام نہیں تھا۔ وہ ممالک جہاں ایک موثر عوامی اطلاعاتی پروگرام موجود تھا وہاں ایچ آئی وی انفیکشن کے دھارے کو موڑنے میں کامیاب ہوگئے۔

4- ایک صاف وشفاف ماحول

ماحول کو نقصان پہنچانے والے فیصلے عام طور پر پس پردہ کیے جاتے ہیں۔ اگر منصوبہ

بندی سے متعلق تمام فیصلے ماحول پر اثر انداز ہونے والے مطالعے کے ساتھ کیے جائیں تو ایسے فیصلوں سے گریز کیا جاسکتا ہے اور پھر انہیں عوام کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔

5- انسانی حقوق کی توقیر

انسانی حقوق کی پامالی اور خلاف ورزیوں کی جڑیں رازداری میں ہوتی ہیں تشدد اور ایسی ہی دیگر خلاف ورزیاں دروازوں کے پیچھے جنم لیتی ہیں۔ مثلاً مختاراں مائی کا کیس منظرِ عام پر آنے پر ہی انصاف کیا گیا۔ اس قسم کی اطلاعات حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں کرنے والوں کے خلاف اقدامات اٹھانے کے لیے حکومت کو مجبور کرتی ہیں۔

6- پرائیویسی کا احترام

آزادی اطلاعات کے ذریعے یہ جانا جاسکتا ہے کہ افراد کے خلاف حکومتی ادارے کس قسم کی اطلاعات جمع کررہے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کے متعلق یہ معلومات یقینی طور پر درست ہوں اور حقیقت اس کے برعکس ہے تو غلط اور امکانی نقصان دہ فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔

7- ایک زیادہ محفوظ معاشرہ

بہت سی اطلاعات کو روکنے کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ شاید یہ عمومی مفادات کے خلاف ہیں اور 'قومی مفاد اور سلامتی' کا تحفظ مقصود ہے زیادہ بہتر استدلال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ دفاع اور انٹیلی جنس سے متعلق فیصلوں کی جانچ پڑتال ایک زیادہ محفوظ معاشرے کی تعمیر کا باعث ہوتی ہے۔ غیر جواب دہ انٹیلی جنس خدمات اکثر اپنی سرگرمیوں کا رخ قومی سلامتی کے حقیقی خطرات کی بجائے اندرونی سیاسی مخالفین کی جانب موڑ دیتی ہیں۔

آزادی اطلاعات اس قسم کے واقعات کی روک تھام کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ حفاظتی خدمات میں رازداری، بدعنوانی اور نااہلیت کو جنم دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں تحفظ داؤ پر لگ سکتے ہیں۔

8- زیادہ موثر جمہوریت

آزادی اطلاعات موثر جمہوریت کے لیے بہت اہم ہے اگر رائے دہندگان کو حکومتی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات کی فراہمی سے محروم رکھا گیا تو وہ ایک باعلم انتخاب کس طرح کرسکتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی رہنماؤں کو یہ یقین ہو کہ ان کے ہر عمل پر عوام کی نظر ہے تو وہ اپنے رائے دہندگان کی خواہش اور امنگوں کی تقلید کریں گے۔

9- احتساب

جب نوکر شاہی کو یہ یقین ہو کہ عوام کو ان کے محکموں سے متعلق اطلاعات تک رسائی حاصل ہے اور وہ ان کی کارکردگی اور بجٹ کی جانچ پڑتال کرسکتے ہیں تو اس سے احتساب کے ایک احساس کو فروغ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر عوام کو باخبر انتخاب کرنا ہے تو حکومت کے بارے میں اطلاعات و معلومات ضروری ہے۔

10- شرکت

عوام اور حکومت کے درمیان اطلاعات کا دوطرفہ ٹریفک لوگوں کو ان کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے فیصلوں میں حصہ لینے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ دستاویزات کی اشاعت سے لوگوں میں ذہنی تبدیلی آئے گی اور اجلاس میں شرکت کے باعث فیصلہ سازی میں ان کی رائے بھی شامل ہوگی۔ اقوام متحدہ کے سینئر آفیسر اور آزادئ رائے اور اظہار کے خصوصی نمائندے عابد حسین کے بقول.....

''اگر عوام کی رسائی اطلاعات تک نہیں ہے تو آزادی تمام اثر پذیری سے محروم ہو جائے گی۔ اطلاعات و معلومات تک رسائی زندگی کے جمہوری طریقے کی بنیاد ہے۔ عام طور پر اطلاعات و معلومات تک عوام کی رسائی کو روکنے کا رجحان پایا جاتا ہے جس پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے''۔

آزادی اطلاعات کے بنیادی اصول کیا ہیں؟

حالیہ برسوں میں بہت سے ملکوں نے آزادی اطلاعات کے قوانین کو اپنایا ہے اور اس عمل کے دوران چند بنیادی اصول ابھر کر سامنے آئے ہیں جنہوں نے آزادئ اطلاعات کی بہتر قانون سازی کو نمایاں کیا ہے۔ خدشہ یہ ہے کہ اب چونکہ آزادئ اطلاعات ایک جدت پسند مثل بن کی ہے اس لیے حکومت شاید آزادئ اطلاعات کے ایسے قوانین اختیار کرلے جو حقیقتاً عوام کی اطلاعات تک رسائی میں اضافہ نہیں کریں گے۔

بدترین حالات میں وہ شاید اس کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔ بنیادی اصول بہت اہم ہیں کیونکہ وہ آزمائش کا ایک پیمانہ فراہم کرتے ہیں کہ قومی قانون واقعی اطلاعات تک عوامی رسائی میں اضافہ کرتا ہے۔

چند عمومی اصول درج ذیل ہیں:

1- قانون آزادئ اطلاعات کی رہنمائی زیادہ سے زیادہ افشائے راز و تشہیر کے اصول سے ہونی چاہیے۔

- مطلوبہ اطلاعات کو روکنے کے لیے متعدد قانونی جواز، طریقہ کار اور ایک مجاز غیر جانبدار ادارے کا ہونا ضروری ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اطلاعات کو روکنا جائز اور درست تھا۔
- اطلاعات کے حق کو صرف شہریوں تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ حق ایک غیر ملکی فرد کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔
- اطلاعات تک رسائی کی درخواست کرنے والے فرد کو اطلاعات میں کسی خاص قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔
- کسی بھی سرکاری ادارے کو قانون کی حد تک باہر نہیں ہونا چاہیے۔

2- سرکاری ادارے کو کلیدی اطلاعات کی تشہیر کا لازمی پابند ہونا چاہیے۔

- سرکاری اداروں کو تمام معلومات شائع کرنی چاہئیں اور نہایت سرگرمی کے ساتھ اطلاعات کی کلیدی اقسام کو میڈیا، سرکاری ویب سائٹ وغیرہ کے ذریعے تشہیر کرنا چاہیے۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس کے لیے کوئی درخواست کی گئی ہے یا نہیں۔

3- سرکاری اداروں کو واضح اور کشادہ حکومت کو فروغ دینا چاہیے۔

- ریکارڈ کو بہتر طور پر ایسی شکل میں رکھا جائے کہ اس تک عوام کی رسائی آسان ہوسکے۔
- آزادئ اطلاعات کے بارے میں عوامی ادراک کو بڑھانے والے ماحول کو فروغ دیا جائے۔ اطلاعات تک رسائی کی راہ میں موجود رکاوٹوں سے بھرپور طور پر نمٹا جائے۔
- حکومت کے ساتھ کھلے پن کو فروغ دینے کے لیے سرکاری اہل کاروں کو تربیت دی جائے۔

4- استثنائی صورتیں واضح اور محدود ہونی چاہئیں۔

- معلومات کو روکنے کے لیے صرف یہ حیلہ پیش نہیں کرنا چاہیے کہ عوامی یا قومی مفاد وغیرہ کے خلاف ہے بلکہ ان مبہم اصطلاحات کی محدود اور واضح تعریف ہونی چاہیے۔

5- اطلاعات کی فراہمی کی درخواست کی راہ میں مہنگے اخراجات آڑے نہیں آنا چاہئیں۔

6- عام لوگوں کی رسائی سرکاری اداروں تک ہونی چاہیے۔

7- اطلاعات تک زیادہ سے زیادہ رسائی کے اصول کے خلاف قوانین میں ترمیم کی جائے یا انہیں ختم کیا جائے۔

8- غلط کاریوں کے بارے میں معلومات جاری کرنے والے افراد کا تحفظ ضروری ہے۔

* **اطلاعات تک عوامی رسائی کی راہ میں استثنائی صورتیں:**

آزادی اطلاعات ایک کلی حق نہیں ہے

(باقی صفحہ 21 پر ملاحظہ فرمائیں)

شہری نے اچھی حاکمیت کے موضوع پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا جس میں کراچی کے شہریوں کو درپیش مسائل کی نشاندھی کی گئی

ساحل غریبوں کی پہنچ سے دور ہو گیا

ساحلی علاقے کی ترقی کی خاطر چھابڑی اور ٹھیلے والوں، سپیروں اور مداریوں کو وہاں سے ہٹا دیا گیا

شہری سرگرمیاں

شہری رپورٹ

مقررین کا کہنا تھا کہ لوگوں کو شہری زرائع اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے اداروں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ جتانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ احسن نگرانی سے کراچی کے باسیوں کے معیارِ زندگی میں بہتری ممکن ہے۔

عارف حسن نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل ڈی ایچ اے نے سی ویو ٹاؤن شپ پر ساحل کو ترقی دینے کے دوران چھابڑی اور ٹھیلے والوں کو وہاں سے ہٹا دیا جو کھانے پینے کی سستی اشیا فروخت کرتے تھے۔ نیز سپیروں، مداریوں اور دیگر چھوٹے موٹے کاروبار کرنے والوں کو بھی ہٹا دیا گیا چنانچہ کم آمدنی والے افراد نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ ساحل پر آنے والے بیشتر شہری اسٹالوں پر فروخت ہونے والا کھانے پینے کا سامان خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ساحل غریبوں کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ اسی طرح کلفٹن کے ساحل پر شہری حکومت نے ایک بہت وسیع و عریض پارک تعمیر کیا ہے۔ یہاں سے بھی سستی اشیا فروخت کرنے والے اور تفریح فراہم کرنے والے دیگر افراد کو منتقل کر دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد یہ ساحل بھی عوام کی دسترس سے باہر ہو جائے گا۔

انہوں نے کہا یہاں تقریباً 150 اسٹال تھے جو ایک صدی سے بھی زیادہ عرصے سے سیپیوں اور گھونگوں سے بنی مصنوعات فروخت کر رہے تھے۔ اب انہیں یہاں سے بے دخل کر دیا گیا ہے اور یہ لوگ اپنی اشیا قریبی عمارت میں قائم کردہ دکانوں میں فروخت کرتے ہیں اس طرح ان کی آمدنی کم سے کم ہو رہی ہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے لیکن کسی نے بھی عام لوگوں کی ساحلوں تک رسائی کے حق کے تحفظ کے مسئلے پر آواز نہیں اٹھائی۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ ڈی ایچ اے نے 'ترقی' کے نام پر ساحل کے ساتھ ساتھ 14 کلومیٹر طویل پٹی حاصل کی ہے اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو بہت ہی کم شہریوں کی رسائی ساحلوں تک ہو گی کیونکہ تمام تر ساحل کے ساتھ تعمیرات قائم ہوں گی۔

انہوں نے اظہارِ افسوس کیا کہ ادارے اکثریت کی بجائے صرف طبقۂ اعلیٰ کے لیے ایسے منصوبے بنا رہے ہیں جبکہ اکثریت کا تعلق متوسط اور نچلے طبقے سے ہے اور جو آبادی کے 70 فیصد سے زیادہ حصے پر مشتمل ہے۔

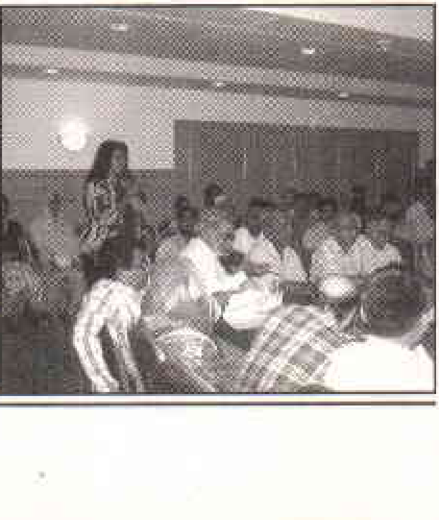

دیگر مقررین نے کہا کہ سیل فون اور پرس چھیننے کے واقعات مزاحمت پر اکساتے ہیں۔ تفریح کے لیے مختص پلاٹوں کی غیر قانونی الاٹمنٹ پر ابرو تک نہیں اٹھتی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پرس یا موبائل فون چھینا جاتا ہے تو ایک احساس ملکیت ہوتا ہے جبکہ تفریحی پلاٹوں کے ضمن میں لوگ یہ محسوس نہیں کرتے کہ وہ بھی شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ کوئی آواز نہیں اٹھتی، کوئی شور نہیں مچاتا اور لوٹ مار جاری رہتی ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایک نیا ساحلی ترقیاتی منصوبہ بنایا جا رہا ہے جس کے تحت تقریباً 80 فیصد ساحل نجی تحویل میں دے دیا جائے گا جو ایک قومی سرمایہ تھا۔ اب کوئی بھی فرد کسی کے بھی داخلے پر پابندی لگا سکتا ہے۔

ایک اور مقرر نے کہا 'بہت سے نالے جو شہر سے بارش کے پانی کی نکاسی کرتے تھے ان پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے ان میں سے کچھ تو الاٹ بھی کیے جا چکے ہیں جس سے بارش کے پانی کے نکاس کی گنجائش کم ہوئی ہے۔ جن کی بنا پر شہر کے بیشتر حصے بارش رکنے کے بعد بھی کئی دن تک غرقاب رہے۔

انہوں نے کہا کہ شہر اور قومی وسائل کا انتظام کرنے والے لوگوں کی حرص کے باعث چائنا کریک (جو کراچی کی بندرگاہ کے لیے کھاڑی ہے) سے زمین کے وسیع قطعات حاصل کیے گئے۔ جس سے بندرگاہ کے آبی

(باقی صفحہ 21 پر ملاحظہ فرمائیں)

بیراج کو کٹاؤ اور فرش کی شکست و ریخت کا سامنا ہے ، ہزاروں کسانوں کو معاشی نقصانات سے بچانے کے لیے بیراج کی بحالی کے لیے فوری اقدامات ضروری ہیں

تونسہ بیراج بے شمار مسائل کی لپیٹ میں

نورین حیدر

تعمیر و ترقی

سندھ طاس میں بیراج پاکستان کے نظام آب پاشی کا اہم حصہ ہیں۔ پنجاب میں 50 سے 100 برس پہلے بننے والے بہت سے بیراجوں کی عمر پوری ہوگئی ہے ان کے ڈیزائن اور نقائص آبی حالات میں تبدیلی اور التوا شدہ دیکھ بھال جیسے مسائل سے نمٹنے کے لیے ان کی بحالی کی ضرورت ہے۔ ان میں کچھ کو شدید تدارکی اقدامات کی ضرورت ہے۔

پنجاب کے جنوبی حصے کی ضلع مظفرگڑھ کی تحصیل کوٹ اڈو میں دریائے سندھ پر تونسہ بیراج 1953ء سے 1958ء کے درمیان تعمیر ہوا تھا جس سے لیہ، راجن پور، رحیم یار خان، مظفرگڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع میں 2.3 ملین ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔ تین نہریں ڈی جی خان، تھل، پنجند لنک اور مظفرگڑھ بھی بیراج سے نکالی گئی ہیں۔ بیراج سے پانی کا اخراج 7.5 ملین کیوسک ہے تکمیل کے فوراً بعد ہی بیراج میں لاتعداد انجینئرنگ مسائل پیدا ہوگئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جن کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔

حکومت پنجاب نے 2005ء میں اعلان کیا کہ تونسہ بیراج کسی بھی وقت جواب دے سکتا ہے اس لیے پنجاب میں 2.22 ملین ایکڑ زمین کے لیے آب پاشی کی فراہمی ختم کردی اور تقریباً 6 ملین لوگوں اور مویشیوں کا پینے کا پانی روک دیا گیا۔ اس بات کا انکشاف بھی کیا گیا کہ بیراج کے اچانک گر جانے سے نہ صرف سندھ کے پار کے علاقوں کا ریل روڈ ٹریفک متاثر ہوگا بلکہ دریا کو پار کر کے بند کے پشتوں کے اوپر سے گزرنے والی گیس اور تیل کی پائپ لائنیں بھی غیر فعال ہوجائیں گی۔

بیراج کے نشیبی بہاؤ کے انحطاط۔ طاس میں گاد جمع ہونے سے بار بار نقصان کے ساتھ کنکریٹ کی بالائی سطح کے اکھڑنے اور کنکریٹ کے بڑے ٹکڑوں کے جوڑوں کے رساؤ، ڈی جی خان نہر میں گاد کے جمع ہونے کے مسائل اور پریشر پائپوں کے تقریباً 80 فیصد بند ہوجانے سے تونسہ بیراج کا بیٹھ جانا ناگزیر تھا۔

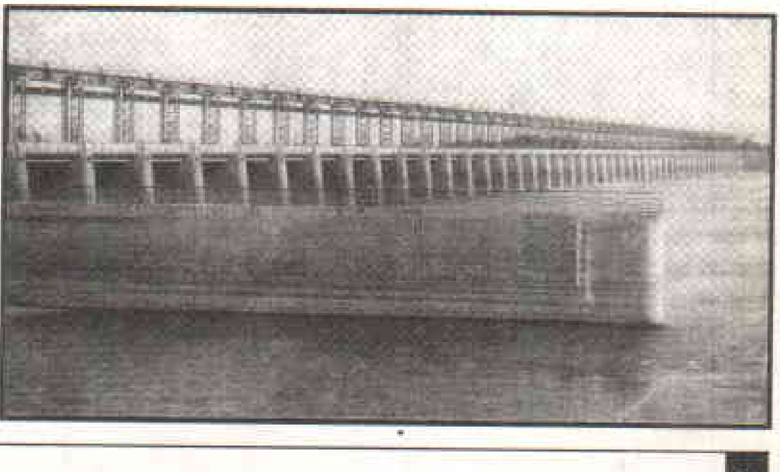

محکمہ آب پاشی پنجاب کے سیکریٹری عارف ندیم کے مطابق بیراج کو کٹاؤ اور پختہ فرش کے انحطاط کا سامنا ہے 'ہزارہا کسانوں کی زندگیوں پر پڑنے والے تباہ کن اثرات اور شدید معاشی نقصانات سے بچاؤ کے لیے فوری طور پر بحالی کے اقدامات کی ضرورت ہے'۔

مسئلے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حکومت پنجاب نے تونسہ بیراج کی بحالی اور اسے جدید تر بنانے کے لیے ٹی بی ایم ای آر پی قائم کیا۔ پروجیکٹ کا آغاز ستمبر 2005ء میں ہوا اور بیراج سیلابی دروازے اور ان کی ضمنی سہولتوں کی بحالی کا کام کام شروع کیا گیا تاکہ اطراف کے علاقے کو پانی کے وسائل کی ضمانت مل سکے۔ مکمل تعمیری تخمینہ 150 ملین امریکی ڈالر تھا جس میں سے عالمی بینک نے 123 ملین امریکی ڈالر مہیا کیے تھے۔ جس کی منظوری اکتوبر 2004ء میں دی گئی۔ حکومت جاپان نے 5165 ملین کی گرانٹ ایڈ کا اعلان کیا جو سیلابی دروازوں کی تفصیلی ڈیزائننگ میں خرچ کیے گئے اور یہ کام جاپان انٹرنیشنل کوآپریشن ایجنسی (جے آئی سی اے) نے سرانجام دیے۔

تعمیراتی عمل کے دوران قدیم مچھیروں کو اپنی آبادیوں سے بے دخل ہونا پڑا۔ اگرچہ کہ عالمی بینک نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ منفی سماجی اور ماحولیاتی اثرات کو روکے گا اور ان کا تدارک کرے گا۔ اس کی بھی تصدیق کی گئی کہ ٹی بی ایم ای آر پی نے بے دخل ہونے والوں کی

آبادکاری کے لیے ایک مدبرانہ منصوبہ تیار کر رکھا تھا بعد میں پتہ چلا کہ منصوبے کے شدید قسم کے سماجی اور ماحولیاتی مضمرات تھے اور نوآبادکاری سے متعلق عالمی بینک کی اپنی پالیسیوں کی خلاف ورزیاں ہوئیں۔

پروجیکٹ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بڑے مسائل میں سے ایک معاوضے کی غیر مساوی رقم کی تقسیم کا مسئلہ تھا۔ مثلاً نوآبادکاری کے ایکشن پلان کے دائرہ کار میں بے دخل ہونے والے خاندانوں کو اپنے مکان کی نوعیت کے مطابق معاوضہ ملنا تھا لیکن محکمے نے اپنی ترجیحات کے معاوضے کی رقم ادا کی۔ بستی شیخاں (بائیں کنارے کا آبادکاری کا مقام) اور بستی اللہ والی (دائیں کنارے کا مقام آبادکاری) کے گاؤں والوں کے کہنے کے مطابق بستی شیخاں کے بے دخل ہونے والے عام خاندانوں کو 40 ہزار روپے ملے۔ لیکن بستی اللہ والی کے خاندانوں کو اپنے مکان کے سائز اور تقسیم سے قطع نظر صرف 16 ہزار روپے ملے تھے۔

جن علاقوں میں بے دخل ہونے والے خاندانوں کو دوبارہ آباد کیا گیا وہاں بھی ان لوگوں کے طرز زندگی میں بہتری نہیں آئی۔ ناقص نکاسیٔ آب اور صحت وصفائی کی صورت حال غیر تسلی بخش تھی جن کے نتیجے میں بیماریاں پھیلیں۔ عالمی بینک کی دوبارہ آبادکاری کی پالیسی کہتی ہے کہ بے دخل ہونے والے لوگوں کے رزگار اور معیار زندگی میں ہر صورت میں بہتری آنی چاہیے یا کم سے کم وہ بحال ہوں۔ لیکن دریا کے کنارے آباد مچھیروں کا کہنا ہے کہ ان کا روزگار جس کا انحصار دریا پر تھا ہمیشہ کے لیے تباہ وبرباد ہو گیا ہے۔

متاثرین اور سندھ کے مچھیروں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے 'سندھ بچاؤ ترلا (ایس بی ٹی)' بہت فعال ہے۔ یہ مختلف غیر سرکاری تنظیموں، مچھیروں اور

محکمہ آبپاشی نے مچھیروں کو ان کی زمین سے ہٹا دیا ہے انہیں مناسب معاوضہ اور رہائش کے لیے متبادل جگہ فراہم نہیں کی گئی

ایکٹوسٹ افراد کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد نے بینک اور محکمہ آب پاشی پنجاب کے خلاف احتجاج کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔

سندھ بچاؤ ترلا کے نمائندے فضل رب لند نے کہا 'ہم مقامی لوگوں کے حقوق کے لیے احتجاج کر رہے ہیں۔ محکمہ آب پاشی نے مچھیروں کو ان کی زمین سے غیر رضا کارانہ طور پر ہٹا دیا ہے۔ انہیں باہمی رضامندی سے کوئی معاوضہ فراہم نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہیں دوبارہ آباد ہونے کے لیے کوئی مناسب جگہ دی گئی۔ وہ جانوروں کی مانند رہ رہے ہیں'۔ لند نے یہ بھی بتایا کہ 'بستی شیخاں موضع قائم والا، تحصیل کوٹ ادو میں اب بھی تقریباً 40 خاندان کھلے آسمان تلے رہ رہے ہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں بچا ہے۔ انہیں کوئی معاوضہ ادا نہ کیا گیا بلکہ ان سے ان کا واحد روزگار بھی چھین لیا گیا ہے۔ ان کی بستی کنسٹرکشن سائٹ بن گئی ہے۔ ان کے پاس بھیک مانگنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ محکمہ آب پاشی پنجاب نے ان سے جو وعدے کیے تھے ان کو پورا نہیں کیا گیا۔ وزیر صاحب بیراج کی جگہ کا معائنہ کرنے آئے تھے لیکن انہیں کچھ بھی علم نہیں ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟

ایس بی ٹی نے متاثرین کے حقوق کے لیے کئی بار احتجاج کیے اور اسلام آباد میں عالمی بینک کے سامنے مظاہرہ کیا۔ یہ تنظیم پروجیکٹ کی ازسرنوتشکیل کی تکنیکی، معاشی، سماجی اور ماحولیاتی سہل العمل رپورٹ پر سوالات اٹھا رہی ہے جس پر 150 ملین ڈالر خرچ ہوئے تھے۔ ایس بی ٹی کی نمائندگی کرنے والے مشتاق گدی نے کہا 'دریا کے زیریں بہاؤ کی نگرانی کرنے والا کوئی نظام عمل یہاں موجود نہیں ہے۔ قریبی مستقبل میں تونسہ بیراج کے گرنے کے امکانی دعوے محض ہوائی قیاس تھے'۔

15 فروری کو بیراج کے بالائی بہاؤ کے ایک پشتے میں شگاف پڑ گیا جس سے پانی باہر بہہ نکلا۔ تعمیراتی سامان اور مشینری کو نقصان پہنچا اور لوگوں کے مسائل مزید شدید تر ہو گئے۔

دوسری طرف سیکریٹری محکمہ آب پاشی پنجاب ایک بالکل مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ 'پروجیکٹ کے شروع کرنے سے پہلے علاقے کا ایک تفصیلی سروے کیا گیا تھا مقامی لوگوں کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے متاثرہ خاندانوں کی ایک فہرست تیار کی جس کے مطابق 957 خاندانوں کی نشاندہی کی گئی جنہیں دوسرے علاقے میں دوبارہ آباد کرنا تھا چنانچہ ان خاندانوں کی نوآبادکاری کا ایک تفصیلی منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس وقت تک بے دخل ہوئے خاندانوں کو 22 ملین روپے کی رقم ادا کی جا چکی ہے۔ نئی آبادی میں لوگوں کو پکی سڑکیں، بجلی اور کمیونٹی بیت الخلا مہیا کیے گئے ہیں۔ مظاہرہ اور احتجاج کرنے والے وہ خاندان ہیں جو پہلی اصل فہرست میں شامل نہیں تھے۔ لہٰذا انہیں معاوضے کی رقم بھی ادا نہیں کی گئی۔

ایس بی ٹی اور ایکشن ایڈ نے حال ہی میں اسلام آباد میں عالمی بینک کے سامنے مظاہرہ اور بھوک ہڑتال کی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ بے دخل ہونے والوں کی نوآبادکاری اور روزگار کے مسائل حل کرنے کے لیے ایک آزادانہ انکوائری کمیشن قائم کیا جائے۔ عالمی بینک کے کنٹری ڈائریکٹر نے کسی ایسے مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ پاکستان کی خودمختاری کا معاملہ ہے اور وہ کمیشن کے قیام کا اختیار نہیں رکھتے۔

ٹی این ایس سے گفتگو کرتے ہوئے عالمی بینک کے کنٹری ڈائریکٹر جان وال نے کہا 'اصل مسئلہ جنوبی پنجاب کی غربت ہے۔ جن لوگوں کو بے دخل کیا گیا تھا انہیں معاوضہ اور متبادل رہائش فراہم کی گئی تھی۔ یہ تو اطراف میں رہنے والے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے اور ہم اسے سمجھتے ہیں۔ لیکن ایس بی ٹی جو مطالبہ کر رہی ہے اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ کبھی بھی نہیں ہوگا'۔

ایک سوال کے جواب میں وال نے کہا 'ہم پروجیکٹ کی ترقی کی نگرانی بہت باریک بینی سے کر رہے ہیں اور ہم پروجیکٹ کے ڈیزائن، کام کی رفتار اور ترقی سے مطمئن ہیں۔ تنقید کرنے والے تو ہمیشہ ہوتے ہیں۔ ڈیزائن اور ماحولیات کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتے ہیں۔ ڈیزائن ایک بہت ہی تکنیکی چیز ہے اور پروجیکٹ کو شروع کرنے سے قبل بین الاقوامی ماہرین کی ایک ٹیم نے اس کی منظوری دی تھی۔ بیراج کے ازسرنوتشکیل کے اس منصوبے سے جنوبی پنجاب میں 2.2 ملین ہیکٹر زمین اور 6 ملین سے زیادہ لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ اسے صرف اس لیے تبدیل نہیں کیا جا سکتا کہ چند مچھیروں اور ماہی گیروں کے خاندانوں کو دوسرے مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔ ہمیں حقائق کو ان کے درست تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

(باقی صفحہ 21 پر ملاحظہ فرمائیں)

عوامی تفریح اور رہائشی علاقوں میں ڈیسیلینیشن پلانٹ کی تعمیر شور کی آلودگی دیگر مضر اثرات کا باعث ہوگی

سمندری پانی کو صاف کرنے کا منصوبہ

ماحولیاتی قوانین اور ضوابط کی خلاف ورزیاں

ساحل کراچی پر ڈیفنس ڈیولپمنٹ اتھارٹی ایک ڈیسیلینیشن پلانٹ تعمیر کر رہی ہے جس کی منصوبہ بندی، ڈیزائن اور نفاذ کے دوران تمام متعلقین کی جانب سے ماحولیاتی قوانین اور ضوابط کی خلاف ورزیاں کی گئیں جن کے بارے میں شہری کی تفصیلی رپورٹ حاضر ہے۔

ماحولیاتی تنزل

شہری رپورٹ

پاکستان تحفظ ماحول ایکٹ کے تحت جی او پی، پی ای پی اے، جی او ایس اور ایس ای پی اے ماحول کے تحفظ، آلودگی کے تدارک، کنٹرول اور پائیدار ترقی کے ذمہ دار ہیں۔

پی ای پی اے 1997ء کے تحت کئی قوانین اور ضوابط کا نفاذ کیا گیا جن میں پاکستان تحفظ، ماحولیاتی ابتدائی ماحولیاتی آزمائش کا وفاقی ایجنسی ریویو اور ماحولیاتی اثرات کے تشخیصی ضابطے 2000ء قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (صنعت کی ازخودنگرانی قوانین 2001ء)۔

ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کو ڈیفنس آفیسرز ہاؤسنگ اتھارٹی آرڈر 1980ء کی شق 4 کے تحت کارپوریٹ حیثیت دی گئی اور کلفٹن کینٹ کو اصل کراچی کنٹونمنٹ بورڈ سے الگ کرکے ڈیفنس آفیسرز ہاؤسنگ اتھارٹی آرڈر 1980ء کی شق 24 کے تحت وجود میں لایا گیا۔ یہ کنٹونمنٹ ایکٹ 24 کی شق 11 کے مصنوعی دائرے میں ایک کارپوریٹ باڈی ہے اور ڈیفنس آفیسرز ہاؤسنگ اتھارٹی کے نام سے پہچانے جانے والے علاقے کے بلدیاتی نظام کی ذمہ دار ہے۔

ڈی ایچ اے۔ جی او جی ای این لمیٹڈ ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی ہے جو کمپنیز آرڈی نینس 1984ء کے تحت تشکیل پائی ہے۔ ڈی ایچ اے نے اسے 94 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے اور 3 ملین گیلن روزانہ سمندری پانی کو قابل استعمال بنانے کے پلانٹ کی تعمیر کے مقصد کے لیے قائم کیا ہے۔ یہ پلانٹ ڈی ایچ اے کے فیز VIII کراچی کے عوامی ساحل پر قائم کیا جائے گا۔

پی ای پی اے 1997ء کے سیکشن 12 کے تحت کسی پروجیکٹ کے محرک کو تعمیر یا پروجیکٹ کے آپریشن کی اجازت نہیں دی جاسکتی جہاں ۔پروجیکٹ مضر اثرات کا باعث ہو اس سے قبل متعلقہ سرکاری ادارے کے لیے ایک ماحولیاتی اثرات کا جائزہ (ای آئی اے) پیش کرنا ضروری ہے۔

آئی ای ای/ای ٹی اے ضوابط 2000ء کے قاعدہ نمبر 4 کے تحت 'ایک پروجیکٹ کا کوئی محرک منصوبے میں درج شدہ کسی بھی زمرے کے تحت آتا ہے تو وفاقی ادارے میں ایک ای آئی اے داخل کرنا ہوگا اور پی ای پی اے کے سیکشن 12 کی شقوں کا اطلاق ایسے پروجیکٹ پر ہوگا'۔

قاعدہ نمبر 6 ب کے مطابق پی ای پی اے اور/ یا ایس ای پی اے کو رہنما خطوط جاری کرنا ہوں گے جس کے تحت ایک پروجیکٹ کے کسی بھی محرک کو ای آئی اے تیار کرکے پی ای پی اے اور/ یا ایس ای پی اے کو پیش کرنا ہوگا۔

قاعدہ نمبر 9 اور 10 ساتھ پڑھیں۔ ان کے تحت پی ای پی اے اور/ یا ایس پی ای اے کو ای آئی اے پیش کرنے کے بعد مختلف اخبارات میں ایک نوٹس شائع کرنا ہوگا جس میں پروجیکٹ کی قسم۔ اس کا درست مقام اور محرک کا نام و پتہ درج ہو۔ اس کے علاوہ ان

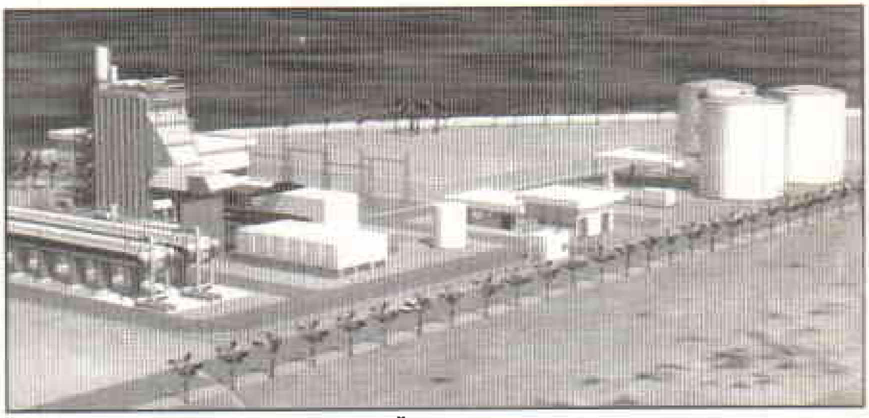

مجوزہ پلانٹ: ماحولیاتی بقا کا خدشہ

مقامات کا بھی ذکر ہو جہاں رسائی ہونے کی صورت میں ای آئی اے پابندیاں عائد کر سکتا ہے۔

پروجیکٹ کی مختلف خصوصیات کے باعث یہ منصوبوں کے زمرے میں آتا ہے جس کے لیے تشخیص ماحولیاتی اثرات (ای آئی اے) کی ضرورت ہوتی ہے۔

ڈی ایچ اے۔سی او جی ای این لمیٹڈ اس منصوبے کو مکمل کرے گا اور یہ ایک ایسا منصوبہ ہے جس کے لیے ڈی ایچ اے۔سی او جی ای این لمیٹڈ کو ای آئی اے کرانا ضروری ہے اور قاعدہ 9 اور 10 کی ضرورت کے تحت ایک ای آئی اے۔ ایس ای پی اے کو پیش کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ مذکورہ ادارے کو پروجیکٹ کا ای آئی اے کرانے کے بعد اسے ایس ای پی اے کو پیش کرنا چاہیے تھا۔

آخرالذکر قانون کی پاسداری کرتے ہوئے ایک پبلک نوٹس کے ذریعے عوامی آرا تبصرے/اعتراضات طلب کیے۔ یہ نوٹس 'روزنامہ ڈان' کراچی میں 19 دسمبر 2004ء کو شائع ہوا اور 20 جنوری 2005ء کو صبح دس بجے عوامی سماعت مقرر کی گئی۔

اس دوران شہری سی بی اے نے ایس ای پی اے سے 'تشخیص ماحولیاتی اثرات' (ای آئی اے) کی ایک کاپی حاصل کی اور خود ہی پہلا قدم اٹھاتے ہوئے این ای پی آر اے سے رجوع کیا اور اس سے ڈی ایچ اے سی او جی ای این لمیٹڈ کی داخل کردہ ای آئی اے حاصل کی جس میں ای آئی اے کے لحاظ سے خاصا انحراف اور فروگزاشت کیا گیا ہے اس پر شہری سی بی ای نے 15 جنوری 2005ء کو تشخیص ماحولیاتی اثرات (ای آئی اے) پر اپنے اعتراضات داخل کر دیئے۔

چونکہ 20 جنوری 2005ء کو عیدالاضحیٰ کی وجہ سے چھٹی تھی اس لیے ایس ای پی اے کی جانب سے عوامی سماعت کا انعقاد نہ ہو سکا۔

ٹیلی فون پر معلومات کرنے پر ایس ای پی اے کے ایک افسر نے شہری سی بی ای کو بتایا کہ ملتوی شدہ عوامی سماعت اب فروری میں کسی وقت منعقد ہوگی۔

شہری سی بی ای نے حکومت پاکستان کو 31 جنوری 2003ء میں خط لکھا تھا اس کے بعد تواتر کے ساتھ ایس ای پی اے کے افسران سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی جس میں ناکامی ہوئی۔ آخر کار شہری سی بی ای نے 12 مارچ 2005ء کو ای ایس پی اے، ڈی ایچ اے اور ڈی ایچ اے سی او جی این لمیٹڈ کو سماعت سے متعلق یاددہانی کا ایک خط تحریر کیا اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی ایک ادارے نے بھی جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

شہری سی بی ای کو بعد میں ایس ای پی اے نے مطلع کیا کہ ڈی ایچ اے سی او جی ای این لمیٹڈ نے ایس ای پی اے سے رجوع کیا تھا اور بحث کی کہ مذکورہ منصوبہ کیونکہ ایسے منصوبوں کے زمرے کے تحت آتا ہے جس کے لیے صرف ابتدائی ماحولیاتی استفسار (آئی ای ای) درکار ہوتا ہے۔ اس لیے اسے 'تشخیص ماحولیاتی اثرات' (ای آئی اے) کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ مسئلہ پی ای پی اے کے سپرد کر دیا گیا جس کی ہدایات پر ایس ای پی اے نے ڈی ایچ سی او جی این لمیٹڈ کی داخل کردہ 'ابتدائی ماحولیاتی استفسار' (آئی ای ای) پر 26 جنوری 2005ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔

لیکن انہوں نے عوامی تفتیش نہ کرا کر اور اسے ایک 'ابتدائی ماحولیاتی استفسار' (آئی ای ای) کی حیثیت دے کر اپنی قانونی ذمہ داری سے انحراف کیا ہے۔

الف: پٹیشن کے پیراگراف 7 میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ مذکورہ پروجیکٹ آئی ای ای/ای آئی اے ریگولیشن 2000ء کے شیڈول II میں درج معلومات کا حامل ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پروجیکٹ کو آئی ای ای کی بجائے ایک ای آئی اے کی ضرورت ہے۔

ب: ایس ای پی اے نے خود تسلیم کیا ہے کہ اخبار میں 19 دسمبر 2004ء کو عوامی سماعت کے نوٹس کا اعلان کر کے ای آئی اے کے لیے ایک ایسا مقدمہ بن گیا ہے جو بظاہر ثابت ہو چکا ہے اور اس کی جواب دہی لازمی ہے۔

پ: مقدمے کا جائزہ لیں تو صریحاً واضح ہے کہ کئی ناموافق اثرات پیدا ہوں گے اور یہ ایک قانونی ضرورت ہے کہ پی ای پی اے اور ایس ای پی اے ایک ای آئی اے تیار کریں۔

پروجیکٹ سے مندرجہ ذیل نقصان دہ اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

الف: حساس ماحولیاتی علاقے میں قیام

ساحل سمندر پر عوامی تفریح اور رہائشی علاقوں (بشمول ایک بلند و بالا عمارتی کمپلیکس) کے قریب ایک صنعتی 94 میگاواٹ پلانٹ کی تعمیر ہوا اور شور کی آلودگی کا باعث ہوگی۔ ڈی ایچ اے سی ایل ایریا کے خاکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ 30-45 فٹ بلند صنعتی ڈھانچہ، بہت سے پائپ اور دھواں نکلنے کی چمنیاں ہیں۔ تعمیر کے دوران ہوا اور شور کی آلودگی ہوگی اور جب یہ پلانٹ کام کرنے لگے گا تو ساحل کے پرامن ماحول اور رہائشی اور تفریحی علاقوں پر مضر اور ناموافق اثرات مرتب کرے گا۔ اس کے علاوہ کراچی کے شہریوں کے لیے تفریحی استعمال اور آزادانہ رسائی کے لیے ساحل عوامی ملکیت ہے۔ اس پر صنعتی استعمال کے لیے قبضہ قطعی ناقابل قبول ہے۔

ب: ہوا کا اخراج

سمندری پانی کو قابل استعمال بنانے کے عمل سے خارج ہونے والی ہوا میں مضر اجزا شامل ہوں گے۔

پ: گیس ٹربائن اور سمندری پانی کو قابل استعمال بنانے والے پلانٹس سے اخراج

ساحل کے بہت قریب جن سیال اخراج کو پھینکا جائے گا وہ درج ذیل ہیں:

آئی ای ای کیا ہے؟

'پی ای پی اے 1997' کے سیکشن 2(XXIV) کے تحت کی جانے والی آئی ای ای کی تعریف کو آسانی اور حوالے کے لیے درج کیا جا رہا ہے۔

'ابتدائی ماحولیاتی استفسار سے مراد ایک مجوزہ منصوبے کے ماحول پر پڑنے والے معقول حد تک پیش بین معیاری اور مقداری اثرات کا ابتدائی ماحولیاتی جائزہ ہے۔ تاکہ یہ تعین کیا جائے کہ یہ تشخیص ماحولیاتی اثرات کی تیاری کے لیے ایک ناموافق ماحولیاتی اثر کا باعث تو نہیں۔'

i کھارے پانی کا ارتکاز۔

ii کم آکسیجن والا پانی۔

iii پائپوں کا رساؤ: زیرِ زمین پانی کی تہہ میں خطرناک نمکین پانی کے داخل ہونے کا سبب بنے گا۔

iv اس عمل سے مختلف کیمیائیں، زہریلی دھاتیں، راستے میں رکاوٹیں اور جھاگ کا پیدا نہ ہونا جیسے مسائل پیدا ہوں گے۔

v بلند درجہ حرارت کا اخراج۔

ت: بحری زندگی پر اثرات

مندرجہ ذیل متوقع اثرات شامل ہیں:

i سمندری پانی نگلنے سے بحری زندگی میں عدم توازن ہوگا۔

ii گرم پانی کا اخراج (عام درجہ حرارت سے تقریباً 15 سینٹی گریڈ زیادہ)۔

iii کھاری پانی اور دیگر کیمیائی/زہریلی دھاتوں کا ارتکاز۔

ٹ: پانی کی فراہمی اور صفائی

یہ پانی کی فراہمی اور صفائی کے منصوبے کا پلانٹ ہے جس کی کل لاگت کا تخمینہ 25 ملین روپے سے زیادہ ہے اس لیے اس منصوبے کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی جائزے کی ضرورت ہے۔

ث: سمندر سے زمین کی بازیابی

سمندر سے زمین کے وسیع وعریض قطعات کو حاصل کرنے سے سمندری پانی کا فطری بہاؤ متاثر ہوتا ہے۔ اس کی اجازت صرف بندرگاہوں، گھاٹوں، پشتوں، پلوں اور دیگر سہولیات کی تعمیر کے لیے ہوتی ہے۔ رہائشی کالونیوں کے قیام یا سمندری پانی کو قابل استعمال بنانے کے پلانٹ لگانے کے لیے اجازت نہیں دی جاتی۔

ج: گرڈ اسٹیشن

پلانٹ کا ایک حصہ 94 میگاواٹ 132/220 کے وی گرڈ اسٹیشن کی تعمیر پر مشتمل ہے جو رہائشی علاقے سے بہت زیادہ دور نہیں ہے اور برقی مقناطیسی فیلڈز کی موجودگی باعث تشویش ہے (جیسا کہ 1994ء میں سپریم کورٹ کے شہلا ضیاء حقوق انسانی مقدمے میں طے پایا تھا)۔

چ: ٹرانسمیشن لائنز

132 کے وی ٹرانسمیشن کے دو سرکٹ ہوں گے جو سڑکوں کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور ان کی لمبائی تقریباً 8.5 کلومیٹر ہوگی سڑکوں کی چوڑائی 60 فٹ اور 80 فٹ ہے۔ 132 کے وی اوورہیڈ ٹرانسمیشن لائنز سے کم سے کم کلیئرنس [illegible]ت 100 فٹ ہوتی ہے۔

ح: گیس ٹرانسمیشن لائنز

20 انچ قطر کی 14 کلومیٹر لمبی گیس پائپ لائن ڈالی جائے گی جو گیس ٹربائن کے لیے قدرتی گیس کا 17.5 ایم ایم مربع کیوبک فٹ پہنچائے گی۔

خ: فضلے کو ٹھکانے لگانے کی سہولتیں

آبی فضلے کا تقریباً 25 ایم جی ڈی ٹھکانے لگایا جائے گا (مثلاً 38 ملین ایم3/سالانہ سے زیادہ سمندر میں گرایا جائے گا۔

د: اس کے علاوہ سمندری پانی کو قابل استعمال بنانے والے پلانٹ کے سیال نکاس میں اضافہ ہوگا مندرجہ علاقوں میں این ای کیو ایس کے قواعد وضوابط 2001 کی احاطہ بندی کم تر ہوگی۔

i سمندری پانی کے درجہ حرارت میں 15 سینٹی گریڈ کا اضافہ ہوگا جبکہ قوانین اس اضافے کی حد 3 سینٹی گریڈ کا اضافہ ہوگا جبکہ قوانین اس اضافے کی حد 3 سینٹی گریڈ یا اس سے کم مقرر کرتے ہیں۔

ii کلورائیڈ کا ارتکاز سمندری ارتکاز کے برابر یا اس سے کم ہونا چاہیے کھاری پانی کا اخراج کلورائیڈ کے ارتکاز کو 150 فیصد سے 200 فیصد تک بڑھا دے گا۔

ایس ای پی اے نے اس منصوبے کی منظوری ای آئی اے کے بجائے آئی ای ای کی بنیاد پر دی ہے جو آئین کے آرٹیکل 9 کی خلاف ورزی ہے اس لیے غیر قانونی اور کالعدم ہے۔

پی ای پی اے اور ایس ای پی اے عوامی سماعت کے انعقاد سے انکار کر کے شہری کے اس حق کا لحاظ کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں جو فطری انصاف کے قوانین کے تحت 'حق' ہے۔

اس منصوبے کی وجہ سے شدید ماحولیاتی خدشات پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کا از سرِ نو جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ شاید یہ ایک بری مثال قائم ہوگی اور شاید جس کی تقلید کی جائے۔

❀❀❀

تاریخ	واقعہ
17-11-2004	نیپرا نے ڈی سی ایل کو بجلی پیدا کرنے کے لیے لائسنس دینے کے لیے عوامی سماعت میں شرکت کی دعوت دی۔
24-11-2004	نیپرا نے کے ای ایس سی کو ڈی سی ایل کی بجلی کی فروخت کے محاصل کے تعین کے لیے عوامی سماعت میں شرکت کی دعوت دی۔
29-11-2004	شہری نے نیپرا کو خط لکھا جس میں ڈی سی ایل منصوبے کے لیے ایس ای پی اے سے ایک ای آئی اے کی منظوری کی اہمیت اور معقولیت پر زور دیا۔ شہری نے ایس ای پی اے کو بھی خط لکھا جس میں ڈی سی ایل پروجیکٹ پر ایک ای آئی اے کی اجازت کی وجوہات بتائیں۔
29-11-2004	پریس کے ذریعے ایس ای پی اے نے ڈی سی ایل، ایس ای/اے پر عوامی آراء طلب کیں۔ عوامی سماعت کی تاریخ 20-1-2005 مقرر کی گئی۔
19-12-2004	20 جنوری 2005ء کو عید کی وجہ سے پبلک چھٹی قرار دے دیا گیا۔ معلومات کرنے پر ایس ای پی اے کے نعیم مغل نے شہری کو مطلع کیا کہ سماعت کی نئی تاریخ فروری میں مقرر کی جائے گی۔
19-01-2005	شہری نے ایس ای پی اے کو خط لکھ کر سماعت کی نئی تاریخ کے بارے میں دریافت کیا اس سے پہلے نعیم مغل سے ٹیلی فون پر کئی بار رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔
31-01-2005	شہری نے ایس ای پی اے کو یاد دہانی کا خط فیکس کیا اور پھر نعیم مغل سے بات کی۔
12-03-2005	نعیم مغل نے فون پر شہری کو بتایا کہ ایک آئی ای ای منظور کر لی گئی ہے جس کی کاپی شہری کو بھیج دی جائے گی۔
14-03-2005	شہری کو آئی ای ای کی ایک کاپی موصول ہوئی۔
-04-2005	شہری کے ایڈووکیٹ نے ایس ای پی اے اور ڈی سی ایل کو قانونی نوٹس بھیجا۔
-04-2005	شہری نے سندھ ہائی کورٹ میں ایک رٹ پٹیشن دائر کی۔

پراپرٹی مارکیٹ میں مصنوعی تیزی قیمتیں شہری سہولتوں اور بنیادی ڈھانچے سے انصاف نہیں کرتیں

کڈنی ہل پارک کا تنازع

شہری حکومت کا دعویٰ پارک تک محدود ہے کیونکہ اس کا بنیادی مقصد تعمیر و ترقی ہے

شہری ایڈووکیسی

شہری رپورٹ

کراچی ہمیشہ سے ایسا شہر رہا ہے جس کے جنوب مشرق اور مغرب کی جانب سے وسعت پذیری سے کھلی جگہ کا وجود ایک مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ یہ بہت تیزی سے ان بڑے شہروں میں شامل ہو رہا ہے جہاں جائیداد بہت مہنگی ہے جبکہ کراچی شہر کے شہری یہ دلیل دیتے ہیں کہ غیر منقولہ جائیداد کی بلند ترقیمتیں شہری سہولتوں اور بنیادی ڈھانچے سے ہرگز انصاف نہیں کرتیں اور یہ حقیقت ہے کہ پراپرٹی مارکیٹ میں مصنوعی تیزی نے کراچی کی ایک انچ کی جگہ کو زندگی سے زیادہ قیمتی بنا دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عدالتوں میں بیشتر مقدمات سرکاری یا نجی جائیداد سے متعلق ہیں اور نسل در نسل چل رہے ہیں۔ کڈنی ہل پارک بھی ایک ایسا ہی مقدمہ ہے یہ مقدمہ کئی طریقوں سے منفرد ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں کئی اونچے طبقے کے فریق ملوث ہیں۔ جن میں وفاقی حکومت، حکومت سندھ، شہری ضلعی حکومت کراچی، شہری تنظیم، شہریوں کی ایک فوج اور اب ایم ایم اے کے نمائندے شامل ہیں۔

اس مقدمے نے عوام کی توجہ ایک ایسے وقت میں حاصل کی جب شہری حقیقتاً اپنے اطراف کی ترقی کے نتیجے میں پہلو بہ پہلو نقصان کی تکلیف کو محسوس کر رہے تھے۔ آخر میں جائیداد کا سائز اور شامل مفادات، معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان قول وقرار اور ذمہ داری کے اصولوں کی توضیح کرتے ہیں۔

کڈنی ہل پارک کی زمین 162 ایکڑ ہے اور کراچی کے اہم اور عمدہ ترین علاقوں شہید ملت روڈ اور کارساز روڈ کے درمیان واقع ہے۔ زمین پر ناجائز قبضے کے ہاتھوں اب اس کا رقبہ کم ہوکر 55 ایکڑ رہ گیا ہے۔ شہری کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق کے ڈی اے آرڈر 1957 کے آرٹیکل 45 کے تحت اسکیم 32 'فلک نما' کی حیثیت سے کڈنی ہل کا اعلان کیا گیا۔ کراچی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے لے آؤٹ پلان میں اس پورے 162 ایکڑ رقبے کو ایمنٹی پلاٹ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے اور اسے ایک تفریحی سہولت کی حیثیت سے ترقی دی جانی تھی۔ اس میں کے سی ایچ ایس کے اطراف کے لیے 18 ایکڑ پر پھیلے ہوئے ذخیرہ آب کی سہولت بھی شامل تھی۔

1979ء میں یہ زمین اوورسیز کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی (او سی ایچ ایس) اور الریاض کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی نے حاصل کرلی۔ انہیں وفاقی وزارت محنت کی آشیرباد حاصل تھی۔ جب لوگوں نے اس خلاف ورزی کے خلاف آواز اٹھائی تو جنرل ضیاء الحق نے 1982ء میں ایک حکم نامہ جاری کیا اور یہ زمین ایک پارک کی تعمیر و ترقی کے لیے کے ایم سی کے حوالے کردی گئی۔ 1990ء میں او سی ایچ ایس نے اپنے الاٹمنٹ کی منسوخی کو چیلنج کرتے ہوئے کے ڈی اے، حکومت سندھ، وزارت محنت اور کے ایم سی کے خلاف مقدمہ سی پی نمبر 1314/2990 دائر کردیا۔ چنانچہ پلاٹ ناظر کی تحویل میں دے دیا گیا۔

9 برس کے بعد شہری سی بی ای اور دیگر 13 رہائشی افراد نے اس مقدمے میں فریق بننے کی درخواست دی جسے منظور کرلیا گیا۔ اس پر او سی ایچ ایس نے سپریم کورٹ میں اپیل کردی۔ جون 2006ء میں مقدمے نے ایک منفرد موڑ لیا جب او سی ایچ ایس، کے سی ایچ ایس یو، حکومت پاکستان، وزارت محنت، حکومت سندھ، شہری ضلعی حکومت کراچی نے مفاہمت کے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت کڈنی ہل کا تقریباً 66 فیصد رہائشی پلاٹوں اور درمیانی سڑکوں کے لیے اور بقیہ 21 ایکڑ پارک کے مقصد کے لیے تقسیم کردیا گیا۔ معاہدے پر عملدرآمد کرتے ہوئے سندھ ہائی کورٹ نے سی پی 1314/1990 کونمٹا دیا۔ لیکن اس نے شہری اور علاقے کے دیگر متاثرین رہائش کنندگان کو نیا مقدمہ دائر کرنے کی اجازت دے دی۔ شہری اور علاقے کے 13 رہائش کنندگان نے سی پی 160/2007 مقدمہ دائر کردیا۔ اس کے بعد تنازعے نے ایک ایسی شکل اختیار کرلی جس نے اسے قانونی حدود سے نکال کر عوام اور میڈیا کی پوری توجہ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

فروری 2006ء میں تازہ پٹیشن دائر کرنے کے فوراً بعد شہری کے ساتھ جن دیگر تیرہ رہائش کنندگان نے مقدمہ دائر کیا تھا انہوں نے اپنا مقدمہ واپس لینے کی درخواست

دی جس میں واضح وجہ بتانے سے انکار کیا گیا تھا۔ ان کی درخواست منظور ہوئی تو شہری اس مقدمے کو لڑنے والی واحد پارٹی رہ گئی۔ ایک ہفتے کے بعد شہری تنظیم نے شکایت کی کہ اسے دھمکیاں دی جارہی ہیں اور اس سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ مقدمہ واپس لے لے۔ لیکن ایک دفعہ عوامی دلچسپی کا مقدمہ عدالت میں دائر ہو جائے تو اسے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ چنانچہ شہری مقدمہ واپس لینے کے قابل نہیں تھا۔ 'شہری' کی اہم رکن امبر علی بھائی اس ضمن میں سب سے آگے تھیں جب انہیں اور ان کے خاندان کو دھمکیاں ملیں تو انہوں نے بھی پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

اختلاف یا اختلافات کی جڑ اب دو فریقوں کے درمیان ہے جس میں حکومت سندھ اور دیگر فریقوں کے درمیان مفاہمت کا جواز کے ڈی اے کی پوزیشن اور 'شہری' کا یہ الزام کہ اس کے اراکین کو دھمکیاں مل رہی ہیں شامل ہیں۔ معاشرے کے مختلف حلقوں کے درمیان اختیارات کے محرکات کی توضیح کے لیے یہ مقدمہ برسوں چلے گا۔

مذکورہ مفاہمت ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ مقدمے کا جواز اور قانونی حیثیت سی ڈی جی کے اور حکومت سندھ پر واضح ہے۔ شہری کی نمائندگی کرنے والے وکلاء اس کی پوزیشن کا دفاع کر رہے ہیں۔ بیرسٹر گلبرٹ نعیم الرحمٰن کے دفتر میں رضوانہ اسمٰعیل نے کہا کہ یہ مفاہمت غیر قانونی ہے۔ 'ہمارا اختلاف یہ ہے کہ حکومت کسی مفاہمت کے معاہدے میں داخل نہیں ہوسکتی۔ کنٹریکٹ ایکٹ 1872 کے سیکشن 23 کے تحت یہ معاہدہ کالعدم ہوگیا ہے۔ یہ علاقے کے ماسٹر پلان، لیز کی شرائط کے خلاف ہے۔ یہ ان قابل عمل قوانین کے بھی خلاف ہے کہ کوئی ایمنٹی پلاٹ کسی دوسرے مقصد کے لیے تبدیل نہیں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مفاہمت کا یہ معاہدہ ممکن نہیں۔

اب یہ معاملہ ہائی کورٹ کے سامنے ہے۔ لیکن کشمکش اور لڑائی سب کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہے۔ تمام متعلقہ فریقین اپنے مقدمے کی حمایت اور مدد کے لیے دستیاب تمام طریقے اور ذرائع بروئے کار لارہے ہیں۔ دیگر پانچ پارٹیوں نے شہری کی کڈنی ہل پٹیشن (سی پی 160/2007) میں فریق بننے کی درخواست دی ہے۔ سندھ حکومت اور سی ڈی جی کے مقدمے کے سلسلے میں اپنی پوزیشن کے بارے میں پُراعتماد اور پُریقین ہیں۔ 15 مارچ 2007ء جس میں اس نے اپنے اس عبوری حکومت میں تبدیلی کی جس کے تحت مذکورہ علاقے میں کسی بھی ترقیاتی کام کی ممانعت کی گئی تھی۔ تبدیل شدہ حکم سی ڈی جی کے کو ترقیاتی کام کرنے کی اجازت دیتا ہے جو سی ڈی جی کے کو منتقل کیے گئے رقبے میں کیا جاسکتا ہے۔

یہ معاملہ حکومت سندھ کے لیے بہت زیادا اہم ہے۔ کراچی میں حکومت سندھ اور سی ڈی جی کے نے وسیع پیمانے پر ترقیاتی مہم کا آغاز کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے زمین کے تنازعے مالی استطاعت سے باہر کے قضیے بن چکے ہیں چنانچہ مختلف فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ ہی مضبوط امکان نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ کم سے کم معاملے کو طے تو کر دیتا ہے۔ ہائی کورٹ میں حکومت سندھ کے نمائندے انور منظور اصرار کرتے ہیں کہ معاہدہ قانونی طور پر درست ہے۔ 'ہم اس معاہدے کی حمایت کریں گے۔ یہ جائیداد اصل میں وفاقی حکومت کی ملکیت تھی اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ اسے جیسے چاہیں دیں۔ یہ ایک ہاؤسنگ اسکیم کے لیے الاٹ کی گئی۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ ایک نجی جائیداد ہے اور حکومت سندھ کی ملکیت نہیں ہے۔ لیکن حکومت سندھ اس معاہدے کے ذریعے ایک پارک کی تعمیر و ترقی کے لیے ایک قطعہ زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔' منظور اس امر پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ اس جائیداد پر کے ڈی اے کا سرے سے کوئی حق نہیں ہے۔

شہری حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کا دعویٰ پارک تک محدود ہے کیونکہ اس کا مقصد شہر کو خوبصورت اور حسین بنانا ہے شہری ضلعی حکومت کراچی کے نمائندے نے اپنے نام کو مخفی رکھتے ہوئے کہا کہ 'ہمارا بنیادی مقصد پارک کی تعمیر و ترقی ہے چاہے یہ قطعہ زمین 20 ایکڑ ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ ہمیں اس کی پروا نہیں ہے اور اگر حکومت تمام علاقے کو پارک میں تبدیل کرنے کی خواہشمند ہے تو ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کراچی کو خوبصورت اور حسین بنانے کے ہمارے منصوبے کے ایک حصے کی حیثیت سے ایک پارک کی تعمیر و ترقی ہی ہمارا واحد مقصد ہے'۔

مسئلہ اب قانونی حدود سے تجاوز کر کے سیاسی میدان میں داخل ہو رہا ہے۔ اس جھگڑے میں الخدمت گروپ کے داخلے سے

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ فرمائیں)

کڈنی ہل کا مالک کون ہے؟

3 مارچ 2007ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک خط میں دعویٰ کیا کہ کڈنی ہل ایک ایسے علاقے میں ہے جو عام طور پر کراچی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی یونین ایریا کے نام سے مشہور ہے۔ خط میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس زمین کی مالک وفاقی حکومت ہے۔ حکومت سندھ اس کی مالک نہیں ہے۔ خط میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کے ڈی اے کا جاری کردہ 1966ء کا نوٹیفکیشن صرف ایک نوٹس تھا۔ ایک اسکیم کی منظوری نہیں تھی'۔

'1973ء میں کے سی ایچ ایس یو نے اپنے ایک رکن کو یہ زمین فروخت کی اور اوورسیز کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی بنی۔ او سی ایچ ایس نے وفاقی حکومت کو ایک لاکھ روپے کا پریمیم ادا کیا اور لے آؤٹ پلان بھی داخل کیا جو وزارت محنت اسلام آباد نے منظور کرلیا۔ کے سی ایچ ایس یو اور او سی ایچ ایس کے درمیان ضمنی لائسنس بھی 1979ء میں رجسٹرڈ ہوگیا۔ او سی ایچ ایس نے اپنے انفرادی اراکین کو پلاٹ الاٹ کیے اور انہیں ملکیت کا پروانہ بھی جاری کردیا'۔

شہری کے وکلاء اس دعویٰ سے شدید اختلاف کرتے ہیں 'کے ڈی اے کے آرٹیکل 45 کے تحت ایک مرتبہ ایک نوٹیفکیشن جاری ہو جائے تو وہ ایک قانونی دستاویز کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ کڈنی ہل کا علاقہ 62 ایکڑ پر محیط ہے۔ جس کی گزٹ نوٹیفکیشن بتاریخ 17-11-66 میں ہوا تھا جو مغربی پاکستان کے گزٹ میں شائع ہوا۔ اسکیم کا نام 'اسکیم 32، فلک نما' تھا۔ ایک ٹرانسفر دستاویز بھی ہے۔ منتقلی کے حکم کے مطابق جائیداد کی منتقلی حکومت پاکستان سے کے ایم سی کو ہوئی تھی اس سلسلے میں 4 فروری 1984ء کو کڈنی ہل ایریا (62 ایکڑ) کے ایم سی کے سپرد کیا گیا تاکہ ایک پارک اور پانی کی سپلائی کے لیے ذخیرہ آب کی تعمیر و ترقی کا کام ہوسکے۔ مقدمے بازی کے باعث اب بھی یہ ہائی کورٹ کے ناظر کی تحویل میں ہے'۔

(زیڈ شوکت)

ایکٹوسٹ کے آلاتِ کار

ایک عوامی سماعت میں کیسے شرکت کی جائے؟

ان صفحات پر ہم ایڈووکیسی کے اپنے کام کی نشاندھی کرتے ھیں اور عوامی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے کے لیے شہریوں کی بھرپور شرکت کے متمنی ھیں

نقطۂ نظر

خطیب احمد

عوامی سماعت ایک اہم واقعہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کو مجوزہ منصوبے کے بارے میں اپنے خدشات اور خوف کے اظہار کا واحد موقع فراہم کرتا ہے۔ اس لیے ہر ایک کا عوامی سماعت میں شرکت کرنا ضروری ہے۔

1- اپنے علاقے میں کسی بھی مجوزہ منصوبے کے لیے متوقع عوامی سماعت کے بارے میں شائع ہونے والے نوٹس کے لیے اخبارات پر نظر رکھیں۔

2- دھیان کریں کہ کیا عوامی سماعت کا مقام متاثرہ کمیونٹیز کے نزدیک ہے۔

3- دھیان دیں کہ نوٹس اور عوامی سماعت کے انعقاد کے درمیان لازمی دنوں کی تعداد دی گئی ہو۔

4- اگر مندرجہ بالا شرائط پوری نہیں ہوتی ہیں تو معاونت کے لیے متعلقہ ادارے کو خط لکھیں۔

5- جس اخبار میں عوامی سماعت کا نوٹس شائع ہوا ہو اسے سنبھال کر رکھیں۔

6- منصوبے اور متوقع عوامی سماعت کے بارے میں جس قدر زیادہ لوگوں کو بتا سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔

7- ایگزیکٹو سمری اور تشخیص ماحولیاتی اثرات (ای آئی اے) رپورٹ اور/یا ابتدائی ماحولیاتی استفسار (آئی ای ای) رپورٹ کی ایک کاپی کی فراہمی کے لیے متعلقہ افراد/ادارے کو ایک تحریری درخواست دیں پھر اس درخواست کی وصولی کی رسید بھی حاصل کریں۔

متعلقہ ادارے سے سمری اور ای آئی اے اور/یا آئی ای ای دستاویز کی ایک کاپی پہلے سے حاصل کریں۔ ان رپورٹوں میں دی گئی معلومات کو متعلقہ افراد کو متحرک کرنے کے لیے استعمال کریں۔ یہ دستاویز عوامی سماعت میں شرکت کی تیاری کرنے میں بھی مددگار و معاون ثابت ہوگی۔

کمیونٹی کے تین ارکان کو پینل میں نامزد کرنے کے لیے کوئی بھی شخص چیئرمین کو ایک دستخطی مہم کے ذریعے تجویز پیش کرسکتا ہے اس مقصد کے لیے ذمہ دار افراد کو رضاکارانہ کام کرنے کی حوصلہ افزائی کیجیے۔

مقامی/صوبائی/قومی سطح پر ماحولیاتی اور سماجی مسائل پر کام کرنے والی دیگر تنظیموں سے ای آئی اے کے جائزے اور شرکت کے بارے میں مضبوط رویہ اختیار کریں۔

ایک علاقے میں جہاں ایک ایسا ہی منصوبہ قائم ہوچکا ہو وہاں رہائش پذیر لوگوں پر پڑنے والے سماجی، معاشی، ماحولیاتی اور صحت کے اثرات کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

اپنے خدشات اور تجاویز کو تحریری شکل دیں اور پھر اس بیان کو چیئرمین/سیکریٹری کو دیں۔

کمیونٹی میں کسی ایک فرد کا انتخاب کریں اور اسے مندرجہ امور سونپ دیں۔

- عوامی سماعت کی کارروائی کو ریکارڈ کریں۔
- پینل میں موجود افراد کے نام اور عہدے لکھیں اور لوگوں و شرکاء کی تمام تحریری گزارشات کی ایک کاپی حاصل کریں۔
- سماعت میں حاضر تمام لوگوں کی تعداد کا ایک ریکارڈ رکھیں۔
- اس بات کو یقینی بنائیں کہ پینل نوٹیفکیشن کے عین مطابق ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو پینل کے چیئرمین کے سامنے اپنا اعتراض اٹھائیں اور پینل کی تشکیل پر اپنا اعتراض اٹھائیں۔ اگر معاملہ پھر بھی طے نہ ہو تو پینل کی تشکیل پر اپنا اعتراض تحریری طور پر داخل کریں۔
- عوامی سماعت کے بعد لوگوں کے ریکارڈ شدہ خلاصہ کارروائی کی ایک کاپی پینل کے چیئرمین کو دیں اور ان سے اس کی وصولی کی رسید ضرور حاصل کریں۔
- عوامی سماعت کے سرکاری خلاصہ کارروائی کی ایک کاپی حاصل کریں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اصرار کیجیے کہ جب تک سرکاری خلاصہ کارروائی کو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا اس وقت تک عوامی سماعت کو مکمل نہیں سمجھا جائے گا۔
- پینل کو جو تمام گزارشات دی جائیں ان کی دستخط شدہ کاپی اپنے پاس رکھیں۔

تمام سرگرمیوں میں میڈیا کو شریک کرنے کی کوشش کیجیے۔

یقینی بنائیے کہ حتمی رپورٹ/خلاصہ کارروائی میں مندرجہ نکات شامل ہوں۔

1- ای آئی اے اور/یا آئی ای ای سے متعلق معلومات اور متعلقہ افراد کی جانب سے کی جانے والی گزارشات۔

2- منصوبے کے ضمن میں اعتراضات کی شناخت۔

3- ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ذرائع اور طریقے۔

4- مثبت پہلوؤں کو کس طرح اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

مزید معلومات کے لیے برائے مہربانی شہری ای میل shehri@cyber.ne.t.pk پر رابطہ کیجیے۔ ❀❀❀

پلاٹ کی نوعیت میں غیر قانونی تبدیلی

شہر کے باسیوں کو اپنے گردو پیش کے بری طرح متاثر کرنے والے مسائل پر خدشات و تحفظات لاحق ہیں تو شہری کو اطلاع دیں۔ برائے مہربانی ہمیں اس بارے میں لکھیں۔ تصویر ساتھ میں ضرور بھیجیں تاکہ کوشش بہتر ہو، مسئلے کا حل نکالا جائے۔(ایڈیٹر)

گردو پیش پر نگاہ

شہری رپورٹ

شہر کے باسیوں کو اپنے گردوپیش کے بری طرح متاثر کرنے والے مسائل پر خدشات وتحفظات لاحق ہیں تو شہری کو اطلاع دیں۔ برائے مہربانی ہمیں اس بارے میں لکھیں۔ تصویر ساتھ بھیجیں تا کہ کوشش بہتر ہو سکے۔ مسئلے کا حل نکالا جائے۔(ایڈیٹر)

پلاٹ نمبر ایف۔96، بلاک 7، کلفٹن، خیابانِ رومی کی کمرشلائزیشن

کلفٹن کراچی کے بلاک 7 کے باسی مذکورہ پلاٹ کی کمرشلائزیشن پر مندرجہ وجوہات کی بنا پر اعتراض کرتے ہیں۔

1- پلاٹ کے متوازی ایک سروس روڈ ہے جس کی چوڑائی 15 فٹ سے کم ہے۔ اس پلاٹ کے سامنے سے گزرنے والے نکاسی آب کے نالے تک سڑک کی مستقل کھدائی ہوتی رہتی ہے۔

2- تعمیر سے ایس ٹی۔4 پر واقع جماعت خانے کی پرائیویسی اور تحفظ میں مداخلت ہوگی اور موجودہ غیر رواداری ماحول میں یہ بہتر ہوگا کہ کمیونٹیوں کو خطرات سے دوچار نہ کیا جائے۔

3- مذکورہ پلاٹ کی پشت پر واقع پلاٹوں کی پرائیویسی متاثر ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ کسی حتمی فیصلے سے پہلے علاقے کے باسیوں کو پلان دکھا دیئے جائیں۔

4- آزادی اطلاعات ومعلومات کے قانون 2006ء کے تحت ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ تمام پلان اور فیصلے نجی ہونے کی بجائے عوامی منصوبے ہوں گے۔

رہائش کنندگان

بلاک 7، کلفٹن، کراچی

کچی آبادیوں کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ جرائم کو جنم دیتی ہیں اور ملزمان کی پناہ گاہیں ہیں

کراچی کو سماجی، سیاسی اور معاشی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا ہے

کراچی میں کچی آبادیوں کا قیام رہائشی پالیسیوں کی ناکامی کا ردِعمل ہے

ڈاکٹر نعمان احمد

کراچی کے ناظم اور حکومت سندھ کے اعلیٰ افسران نے حال ہی میں بتایا ہے کہ پیچیدہ جائیداد منقولہ کے منصوبوں کو متعارف کر کے کچی آبادیوں کو جدید ترقی یافتہ علاقوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ اس کام کو متعلقہ کمیونٹیوں کے مکمل تعاون اور شرکت سے مکمل کیا جائے گا۔

آبادیاں

یہ بیان تعجب خیز نہیں ہے۔ جائیداد اور زمین کے متنوع اقسام کے حقوق کی فروخت میں ٹھیکیداری انتظامات کے ذریعے تیز رفتار آمدنی کے حصول کے رجحان کی یہ صرف ایک اور اضافی شکل ہے کیونکہ بلدیاتی ادارے سرمایہ کار ایجنسیوں کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں تو اس قسم کے مزید سودوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ شہر عمومی طور پر اور زبردستی آباد ہونے والی بستیاں خصوصی طور پر قیاس آرائی کے دباؤ اور شہری تجدید سے کس طرح نمٹیں گے؟

ان علاقوں میں آباد کمیونٹیوں پر اثرات کے مطالعے کی ضرورت زیادہ اہم ہے۔ کچی آبادیوں میں رہائش پذیر مقامی شہری آبادی کا تقریباً نصف ہیں۔ اس وجہ سے مسئلے کی شدت اور زیادہ اہم ہوگئی ہے۔ ان کی ایک بڑی تعداد اس وقت مختلف اقسام کے غیر حل شدہ مسائل و اختلافات سے دوچار ہے جو انہیں مجوزہ سرمایہ کاریوں کے لیے ایک آسان نشانہ بنا سکتی ہے۔ اس طرزِ عمل سے شہری تجدید کی اصطلاح کے بارے میں کسی کو بھی یہ بات یاد آسکتی ہے کہ اسرائیلی حکام نے کس طرح اسے استعمال کرتے ہوئے مغربی کنارے میں آباد عرب/فلسطینی آبادیوں میں گھس کر نوآبادکاروں کو بسایا تھا۔ ان دو مناظر کا تقابلی جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

پاکستان کے دیگر بڑے شہروں کی مانند کراچی بھی سماجی، معاشی اور سیاسی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں وہ رہائشی علاقے بھی ہیں جن کا استعمال اور ملکیت اعلیٰ ترین آمدنی والے طبقے کے پاس ہے جو اجتماعی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اور دیگر کمیونٹیوں کے درمیان خلیج کو مزید وسیع ہونا چاہیے۔ اس سوچ نے کئی تصورات کے امتزاج سے نشوونما پائی ہے۔ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مختلف آبادیوں سے فاصلہ قائم رکھ کر امیروں کے طرزِ زندگی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے تحفظ اور سلامتی کا موضوع بھی تشویش اور پریشانی کا معاملہ ہے۔

خصوصاً کچی آبادیوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ جرائم کو جنم دینے والے علاقے ہیں۔ ملزمان کی محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔ (آج کل دہشت گردوں کا گڑھ ہیں) جہاں غربت کے ساتھ جہالت اور پسماندگی ہے اور وہ کسی قسم کے سماجی میل جول کے لیے موزوں نہیں ہیں۔

پھیلی ہوئی دہشت گردی کے ایک حل کی تلاش میں اونچے امراء نے اپنی آبادیوں کے اور انتظامی طریقہ کار میں ردوبدل کیا ہے۔ ان کے رہائشی مکانات عام آدمی کے لیے علاقہ ممنوعہ ہیں۔ عوامی گزرگاہوں اور راستوں کی تخلیق سے انکار کر کے ایک طبقاتی تفریق کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس قسم کے رہائشی علاقوں کی منصوبہ بندی اور ڈیزائن میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ ناقابل فروخت چاردیواری ہو۔ گیٹ پر چوبیس گھنٹے سخت نگرانی ہو اور رکاوٹیں ہوں۔ اس کے علاوہ نگراں چوکیاں ہوں۔ عام آدمی سے امیر آدمی کی اس تقسیم میں سماجی ناانصافیوں کی بے شمار مثالوں نے جنم لیا ہے۔ مثلاً پیدل چلنے والوں کی رسائی کے خاتمے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا مبینہ دراندازوں کو ہراساں کرنے اور عام شہری کو کھلے عام اسلحے کی نمائش سے خوفزدہ کرنا وغیرہ۔

نوآبادیات کے لیے حربے اور طریقے ہمارے شہری طور طریقوں میں اب تیزی سے رائج ہو رہے ہیں۔ کچی آبادیوں کو ترقی کے ایک انداز سے نئی شکل و صورت دینے کے

لیے شہری اسکیموں کی تجدید کے حالیہ تصور کو ایک شاندار اور منفرد حیثیت سے فروغ دیا جارہا ہے کہ یہی مسئلے کا حل ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ اس سے کچی آبادیوں کے کم مراعات یافتہ رہائشی افراد کو مشکل ہی سے کوئی قابل ذکر فائدہ پہنچے گا۔ لیکن یہ ہمیشہ کے حریص معماروں، سرمایہ کاروں اور ان کے سیاسی شراکت داروں کے لیے نفع بخش معاہدوں کے راستے ضرور کھول دے گا۔ صرف چند مہذب معاشرے اس معاملے میں ثبوت مہیا کر سکتے ہیں۔

پلانرز نیٹ ورک نیوز لیٹرز کے مدیر ٹام اینگوٹی لکھتے ہیں کہ اسرائیلی انتظامیہ نے بے بس فلسطینیوں کو ان کے آباد ہونے کے حقوق سے محروم کرنے کی غرض سے شہری تجدید کے پروگراموں کو ایک حربے کی طور پر استعمال کیا۔ ایک طویل المدتی منصوبہ بندی کے بہانے ترقی پذیر یہودی آبادکاروں کی بستیاں فلسطینی علاقوں کے عین قلب میں بسائی گئیں۔

چاردیواری میں آباد ان یہودی بستیوں کو بڑے اسرائیلی شہروں سے ملانے کے لیے شاہراہوں کا جال تخلیق کیا گیا جس کے اطراف وسیع وعریض جگہ چھوڑی گئی تھی راستے کے اس وسیع حق کو اپنے پاس رکھ کر اسرائیلی افواج کو اسرائیلی مفادات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ نقل وحمل کے ان رابطوں کو نگراں چوکیوں کی حیثیت سے استعمال کرنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔ اس عمل کے دوران فلسطینی کسان اور چھوٹے زمیندار اپنی زمینوں، فصلوں اور بعض واقعات میں اپنے زندہ رہنے کے حق سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس عمل کے نتیجے میں اسرائیل اب مغربی کنارے پر 22 فیصد زمین پر قابض ہے اور علاقے کے 60 فیصد پر اس کا کنٹرول ہے۔ اس ناانصافی کی فطری حقیقتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ غریب اور مظلوم کبھی بھی اپنی موجودہ حیثیت سے آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ اگر ایسے ہی ناعاقبت اندیش شہری تجدید کی کوششوں کو نفاذ کرنے کی اجازت دی گئی تو کراچی میں کچی آبادیوں میں صورتحال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔

یہ بات کبھی بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ کراچی میں کچی آبادیوں کا قیام رہائشی پالیسیوں کی ناکامی کے ردعمل کے طور پر ہوا ہے کیونکہ ضرورت مند گروہوں کو قابل استطاعت رہائش کی فراہمی مفقود تھی۔ اگرچہ کہ رہائشی زمین وافر مقدار میں تھی اور جن کی نگرانی واجبی تھی اس لیے ان پر کئی کچی آبادیاں نمودار ہیں۔ شہریوں کے آباد ہونے سے زمین کے مالکان نے کچی آبادیوں کو اپنے فائدے کے لیے فروغ دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غریب کے لیے ایک قابل استطاعت رہائش کا اختیار اور حق غائب ہوگیا۔ اس طبقے کے لیے آسمان سے باتیں کرتی زمین کی قیمتیں، تعمیری لاگت میں حددرجہ اضافہ ضرورت مند گروہوں میں بچت/سرمایہ جمع کرنے کی استطاعت کا نہ ہونا اور رہائش کے لیے قرضہ کے اختیار اور انتخاب کی غیر موجودگی وغیرہ چند اسباب ہیں۔

یہ حقیقت سبھی جانتے ہیں کہ مختلف پسماندہ علاقوں سے کراچی منتقل ہونے کا تیز رفتار سلسلہ جاری ہے۔ اس آبادی کا بیشتر حصہ موجودہ کچی آبادیوں میں کھپ جاتا ہے ایک توضیح یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کچی آبادیوں کو شہر کے لیے شاک آبزرور قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کم آمدنی والے گروہوں کو رہائشی حقوق سے یکسر محروم کردیا جاتا تو وسیع پیمانے پر جھگڑے فساد برپا ہو جاتے یہ بھی سچائی ہے کہ ان علاقوں میں موجود انتہائی فرسودہ اور خراب حالات سے نظریں نہیں چرائی جاسکتیں۔ یہ امر متقاضی ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کے لیے عوام دوست راہ کا انتخاب کیا جائے۔

کچی آبادی امپرودمنٹ اینڈ ریگولرائزیشن پروگرام (کے اے آئی آر پی) کا اجرا 1987ء میں ہوا تھا، لیکن اس پر پوری طرح عملدرآمد نہیں ہوا اور نہ ہی کچی آبادیوں کے لوگوں کے فائدے اور بہتری کے لیے کوئی بھی قابل ذکر کوشش کی گئی۔ اورنگی پائلٹ پروجیکٹ اور دیگر تنظیموں کی تکنیکی رہنمائی کے تحت جن کچی آبادیوں کی کمیونٹیوں کو متحرک کیا گیا انہوں نے اجتماعی بنیادی ڈھانچے اور خدمات میں اپنی مدد آپ کے اصول پر خوب سرمایہ کاری کی ہے۔ یہ ایک مایوس کن امر ہے کہ حکومتی سرپرستی میں ہونے والے ترقیاتی پیکیج اس کامیابی سے اپنے منصوبوں میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکے اور ناکام رہے ہیں۔ یہ تنگ نظری ہوگی کہ کچی آبادیوں میں رہائش پذیر لوگ سخت مجرم ہیں۔ اپنی تمام اچھائیوں وخوبیوں اور برائیوں اور نقائص کے ساتھ یہ لوگ کسی بھی بڑے شہر کا عکس اور آئینہ ہیں۔ قابل تعریف بات یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر مثبت وسیلوں کے ذریعے زندہ رہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔

کچی آبادیوں کے سلسلے میں چند اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے ان علاقوں میں جاری کام کو (چاہے وہ اپنی مدد آپ کی بنیاد پر یا اداروں کے ذریعے ہو رہا ہو) مضبوطی اور تقویت دینے کی ضرورت ہے ملکیت اور ریگولرائزیشن سے متعلق تنازعات کو خصوصی طور پر ترجیحی بنیادوں پر طے کرنا چاہیے سندھ کچی آبادی اتھارٹی ایکٹ (ایس کے اے اے) 1987ء کے مندرجات پر اس کی اصل روح کے ساتھ عملدرآمد کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قانون ایس کے اے اے کو بااختیار بناتا ہے کہ وہ ایک محتاط سروے اور جانچ پڑتال کے عمل کے بعد مکینوں کو حق ملکیت مرحمت کرے۔ عام طور پر حق ملکیت کی منظوری کے بعد ہی علاقے میں ترقیاتی کام شروع ہوتا ہے۔ بہتری کے کام کو برق رفتاری سے کرنے کے لیے نجی شعبے کے شراکتی ماڈل کو اجازت ملنی چاہیے۔ بے دخلی اور دوبارہ آبادکاری کے واقعات کم سے کم ہونے چاہئیں اور انہیں مشاورت اور مکالمے کے ذریعے طے کرنا چاہیے۔ یہ سوچنا غیر حقیقی ہوگا کہ کراچی جیسے بڑے شہر کی آدھی آبادی کو کسی ترقیاتی پروگرام میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

(بہ شکریہ: دی نیوز آف سنڈے)

❀❀❀

پاکستان کے دیگر بڑے شہروں کی مانند کراچی بھی سماجی، معاشی اور سیاسی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں وہ رہائشی علاقے بھی ہیں جن کا استعمال اور ملکیت اعلیٰ ترین آمدنی والے طبقے کے پاس ہے جو اجتماعی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اور دیگر کمیونٹیوں کے درمیان خلیج کو مزید وسیع ہونا چاہیے

گندآب کو آلودگی سے پاک یا کسی حد تک اس کے نقصان دہ اثرات کو کم کرنے کے لیے جس عمل سے گزرا جاتا ہے اسے سیوج ٹریٹمنٹ پراسس کہتے ہیں

شہری ترقی

گندآب کی صفائی

یہ عمل متعدد مراحل پر مشتمل ہے

آبادی میں اضافے کی تناسب سے سیویج پلانٹ کا منصوبہ زیرغور ہے

رضوان احمد طارق

ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے گھروں، دفاتر، تجارتی عمارتوں اور صنعتوں سے نکلنے والے گندآب کو آلودگی سے پاک یا کسی حد تک اس کے نقصان دہ اثراتکو کم کرنے کے لیے جس عمل سے گزارا جاتا ہے، اسے سیویج ٹریٹمنٹ پراسس کہتے ہیں۔ یہ عمل فزیوکیمیکل اور بایولوجیکل سسٹمز پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیویج ٹریٹمنٹ سینٹر بنانے والوں کے لیے وقت گزرنے کے ساتھ بعض ترجیحات تبدیل ہوتی رہیں، لیکن بنیادی نکتہ یہ ہی سامنے رہا کہ گندآب کو سمندر یا دریا میں بہانے سے پہلے اسے ماحول کے لیے کم سے کم نقصان دہ بنا دیا جائے۔ ابتدا میں بایوکیمیکل آکسیجن ڈیمانڈ (بی او ڈی) اور ٹوٹل سسپنڈ سالڈ (ٹی ایس ایس) پر سب سے زیادہ توجہ مرکوز رہی۔ پھر فاسفورس اور نائٹروجن کو اور پھر زہریلے ماڈوں کو گندآب سے علیحدہ کرنے کے نکات بھی اس باب میں شامل کیے گئے۔

گندآب کو ٹریٹ کرنے کا نظام کئی مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی مرحلہ ابتدائی ٹریٹمنٹ کہلاتا ہے، جس میں بہاؤ کا تناسب قائم کرنے، اسکریننگ، گرائنڈنگ، چکنائی کو علیحدہ کرنے، بہاؤ کی پیائش کرنے اور کنکر، پتھر علیحدہ کرنے کا عمل تکمیل پاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ پرائمری ٹریٹمنٹ کہلاتا ہے، جس میں کششِ ثقل کے اصول کے تحت معلق ٹھوس ذرّات تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اس مرحلے میں گھروں کے گندآب میں موجود تقریباً ساٹھ فیصد ایس ایس تہہ نشیں ہو جاتے ہیں۔ پانی کی سطح پر تیرنے والی چکنائی علیحدہ کرلی جاتی ہے۔ تیسرا مرحلہ سیکنڈری ٹریٹمنٹ کہلاتا ہے، جس میں حل پذیر نامیات کو علیحدہ کیا جاتا ہے۔ یہ مرحلہ بایولوجیکل پراسیس کئی طرح کے ہوتے ہیں، لیکن

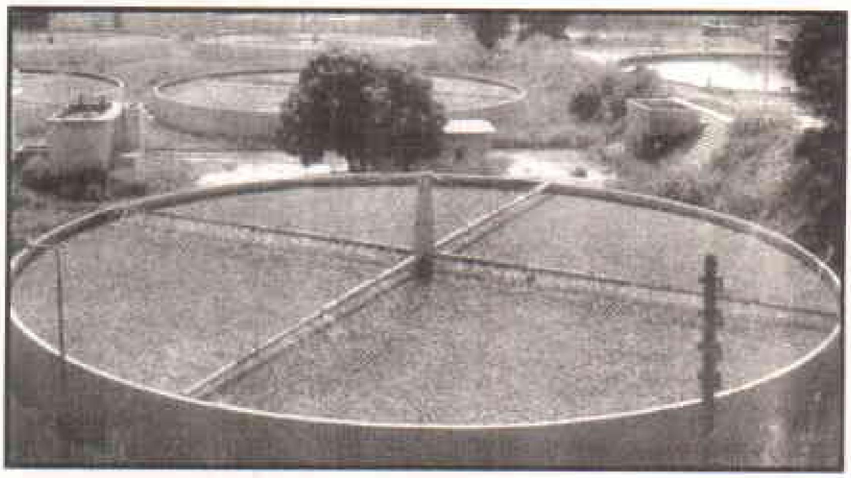

زیادہ تر ایکٹی ویٹیڈ سلج پراسس استعمال ہوتا ہے، جس میں خردنامیوں کو یہ آزادی دی جاتی ہے کہ وہ گندآب میں موجود نامیاتی مواد کو ہڑپ کر جائیں۔ بایولوجیکل ٹریٹمنٹ کے دوران جمع ہونے والا فضلہ سیکنڈری فائرز میں جمع ہوتا ہے، جسے سیکنڈری سلج کہتے ہیں۔ سیکنڈری کلیری فائر میں موجود فضلے کو ڈس انفکیٹ کرنے کے لیے عام طور پر کلورین استعمال کی جاتی ہے، لیکن کلورین بھی ماحول کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے، لہٰذا بہت سے پلانٹ میں فضلے کو بہانے سے قبل ڈی کلوری نیٹ کیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ٹریٹمنٹ کے لیے بہت سخت معیار اور مزید مراحل بھی بروئے کار لائے جاتے ہیں، لیکن پاکستان جیسے ممالک میں اس ضمن میں بعض بنیادی نکات کو بھی نظرانداز کردیا جاتا ہے۔

ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں پینے کا پانی روزانہ 585 ملین گیلن فراہم کیا جاتا ہے۔ عالمی معیار کے مطابق کُل فراہم کیے گئے پانی کا ساٹھ فیصد سیویج میں تبدیل ہوجاتا ہے، جسے ٹریٹمنٹ پلانٹس سے گزار کر دریا یا سمندر میں بہایا جاتا ہے۔ کراچی میں کُل تین سیویج ٹریٹمنٹ پلانٹس ہیں۔ ان میں سے ایک سائٹ کے علاقے میں واقع ہے، جسے ٹی پی ون کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں پلانٹس

واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے تحت کام کرتے ہیں۔ اس پلانٹ نے 1961ء کے اوائل میں کام کا آغاز کردیا تھا۔ اس وقت اس کی استعداد 20 ملین گیلن یومیہ تھی۔ 1995ء میں اس کی استعداد 51 ایم جی ڈی تک کردی گئی، لیکن فی الوقت یہ 50 ایم جی ڈی کی استعداد پر چل رہا ہے۔ باقی دو پلانٹس کی استعداد بھی اتنی ہی بتائی گئی۔

یہ پلانٹس پبلک ہیلتھ پروگرام کا حصہ ہیں۔ اس کا کُل رقبہ ابتدا سے آج تک 134.4 ایکڑ ہے، جس میں دفاتر، رہائشی کالونی اور پلانٹ شامل ہے۔ گٹر باغیچہ اس کا حصہ نہیں اور وہ شہری حکومت کے تحت ہے۔ کُل رقبے کا ساٹھ فیصد کورڈ ایریا ہے، جس میں پلانٹ، سڑکیں، دفاتر اور رہائشی کالونی شامل ہیں۔ باقی زمین خالی پڑی ہے۔ آبادی میں اضافے کے تناسب سے اس پلانٹ میں توسیع کرنے کا منصوبہ حکام کے زیرِ غور ہے، جس میں ری سائیکلنگ یونٹ کی تنصیب بھی شامل ہے تاکہ پلانٹ سے نکلنے والا پانی صنعتی مقاصد کے لیے استعمال کے قابل بنایا جاسکے۔ پلانٹ سے صرف ایک قابلِ استعمال شے خشک کیچڑ یا ایک قسم کی کھاد حاصل ہوتی ہے، جسے میونسپل پارکس، باغات وغیرہ میں شہری حکومت کا ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ استعمال کرتا ہے اور پھول اور پودے اُگانے کے لیے نجی شعبہ خریدتا ہے۔ نجی شعبے کو یہ چار روپے فی کیوبک فٹ کے سرکاری نرخ پر فروخت کی جاتی ہے۔

اس پلانٹ میں پورے سابق ضلع وسطی، یعنی گولیمار، گلبہار، لیاقت آباد، ناظم آباد، شمالی ناظم آباد، فیڈرل بی ایریا، نئی اور شمالی کراچی، سابق ضلع غربی کے بعض حصوں مثلاً بنارس کالونی اور اورنگی ٹاؤن کے کچھ حصوں سے گندآب ٹرنک سیور نظام کے تحت آتا ہے جو 1960ء کی دہائی کے اوائل میں بنایا گیا تھا۔ اس مقصد سے 66 انچ قطر کی لائنیں انگریزی کے حرف 'وائی' کی شکل میں ان علاقوں میں بچھائی گئی تھیں۔ پلانٹ میں لیاقت آباد سے 66 انچ قطر کی پائپ لائن اور شمالی ناظم آباد، ناظم آباد اور فیڈرل بی ایریا سے 54 انچ قطر کی پائپ لائن کے ذریعے گندآب آتا ہے۔ علاوہ ازیں ان بڑی پائپ لائنز میں چند چھوٹی لائنز بھی آکر ملتی ہیں۔ ٹرنک سیور مختلف علاقوں میں سطح زمین سے تیس تا چالیس فٹ کی گہرائی میں موجود ہے۔ ٹریٹمنٹ پلانٹ میں داخل ہونے سے قبل اس کی گہرائی 40 فٹ ہوجاتی ہے۔

صبح نو بجے سے دن کے بارے بجے تک آنے والے گندآب کی مقدار عروج پر ہوتی ہے۔ دن کے بارہ بجے سے اس میں کمی آنا شروع ہوتی ہے اور یہ سلسلہ دوپہر سوا دو بجے تک جاری رہتا ہے۔ پھر شام کے پانچ بجے سے آٹھ بجے تک عروج کا دورانیہ ہوتا ہے۔ شب آٹھ بجے کے بعد آنے والے گندآب میں کمی آنا شروع ہوتی ہے اور یہ سلسلہ بارہ بجے تک جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد یہ مقدار ایک خاص سطح پر آکر رک جاتی ہے۔ سب سے زیادہ گندآب اوّل الذکر اوقات میں آتا ہے، یعنی صبح کے وقت چھ پمپس بہ یک وقت چلائے جاتے ہیں۔ مذکورہ حکام کے مطابق یہ پلانٹ صرف گھروں سے نکلنے والے گندآب کو ٹریٹ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اور یہاں اس قسم کا گندآب کو ٹریٹ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اور یہاں اس قسم کا گندآب آتا ہے۔ ان پمپس میں داخل ہونے سے قبل گندآب کورس اسکریننگ کے مرحلے سے گزر چکا ہوتا ہے، پھر گندآب ڈسٹری بیوشن پٹ نمبر ایک پر پہنچتا ہے، جہاں ایک یونٹ نمبر ایک اور دو پر مساوی مقدار میں بھیجا جاتا ہے۔ وہاں اس کی فائن اسکریننگ کی جاتی ہے اور ایک انچ سے زیادہ لمبائی چوڑائی والا کچرا علیحدہ کیا جاتا ہے، پھر گندآب گرٹ اینڈ سسپینڈیڈ لیکٹر میں جاتا ہے، جہاں اس میں سے ریت اور کنکر علیحدہ کیے جاتے ہیں۔ یہ عمل مکمل ہونے کے بعد گندآب پرائمری سیڈی مینٹیشن ٹینکس میں پہنچتا ہے، جہاں گندگی یا کیچڑ تہہ نشیں ہوتی ہے، جسے سلج کلیکٹنگ پٹ میں جمع کیا جاتا ہے اور پمپ کے ذریعے ڈائجسٹر میں پھینک دیا جاتا ہے۔

اگلا مرحلہ سیکنڈری بایولوجیکل ٹریٹمنٹ کا ہوتا ہے، جس میں گندآب میں موجود خردبینی اجسام ہلاک کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے آکسیڈیشن پونڈز میں ٹرکلنگ فلٹریشن کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ بایومکینیکل عمل ہوتا ہے جس میں بیماری کا سبب نہ بننے والے خردبینی اجسام زیاہ سے زیادہ آکسیجن حاصل کرکے بیماری پیدا کرنے والے اجسام کو غذا کے طور پر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ مذکورہ ذمے داران کیمطابق اس مرحلے پر کوئی کیمیائی مادّہ استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ اب گندآب سیکنڈری کلیری فائر میں پھینکا جاتا ہے، جہاں کیچڑ وغیرہ تہہ نشیں ہوجاتی ہے اور گندآب سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ پرائمری سیٹلمنٹ ٹینکس میں جو کیچڑ جمع ہوتی ہے اسے پمپس کے ذریعے ڈائجسٹر سے راسلج ڈرائنگ بیڈز پر پھیلادی جاتی ہے۔ ڈائجسٹر میں راسلج کو الٹ پلٹ کرکے اس میں زیادہ سے زیادہ آکسیجن جذب ہونے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ بیڈز پر راسلج کو پندرہ یوم تک خشک ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خشک ہونے کے بعد راسلج ایک قسم کی کھاد میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ بتایا گیا کہ ایک ایم جی ڈی گندآب کو ٹریٹ کرنے سے صفر اعشاریہ ایک فیصد کھاد نکلتی ہے۔

(بہ شکریہ: جنگ مِڈ ویک)

❀❀❀

درخت اور پودے سفاک موسم کو قابو میں کر لیتے ہیں

ہاؤسنگ اسکیموں میں شجرکاری کا منصوبہ لازمی قرار دیا جائے

ملکی سطح پر یومِ شجر کاری کا آغاز وقت کی اہم ضرورت ہے موسموں کے جن کو صرف درختوں سے قابو میں رکھا جاسکتا ہے

شجرکاری

شبینہ فراز

عالمی یوم ماحول اقوام متحدہ کے زیراہتمام دنیا بھر میں 5 جون کو نہایت تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا فیصلہ پہلی بار 1972ء میں اسٹاک ہوم میں منعقدہ ایک کانفرنس میں کیا گیا تھا۔ اس دن کو منانے کا مقصد لوگوں اور خصوصاً حکومتوں کی توجہ ماحولیاتی مسائل پر مبذول کرانا ہے (اس وقت جو ملکی حالات ہیں، اس میں حکومت کتنی توجہ ماحول کو دے سکے گی، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، لیکن پھر بھی امید تو کی جاسکتی ہے)۔

بہرحال خدشہ ہے کہ دنیا کا بڑھتا ہوا درجہ حرارت کرۂ ارض پر موجود ہر قسم کے ماحولیاتی نظاموں کو خطرے میں ڈال دے گا۔ بڑھتی ہوئی حدت براہِ راست گلیشیئرز پر اثرانداز ہوگی، جس سے سیلاب اور طغیانی کے خطرات بڑھیں گے اور پھر پانی کی کمی، خشک سالی کو دعوت دے گی۔ یہ دو مظاہر دنیا کو ہلا کر رکھ دیں گے۔ زمین پر موجود ہر قسم کی حیات خطرے میں پڑ جائے گی، چاہے وہ انسان ہو یا کوئی اور جاندار۔

قطبی علاقے اس کرۂ ارض کی آب وہوا پر بھی خاصا اثر ڈالتے ہیں۔ استوائی خطے سال میں قطبین کے مقابلے میں تقریباً پانچ گنا زیادہ حرارت حاصل کرتے ہیں اور ہماری فضا اور سمندر اس حرارت کو قطبین تک پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں قطبی علاقے کرۂ ارض کے آب وہوا کے نظام سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ حدت کے بڑھنے سے مستقل طور پر منجمد علاقوں کے پگھلنے سے نہ صرف وسیع علاقے زیرِ آب آئیں گے بلکہ برف پگھلنے سے میتھین کا بھی اخراج ہوگا جو گرین ہاؤس گیسوں میں سے ایک ہے۔

اس تمام صورتحال میں بہتری لانے کے لیے دنیا بھر کے سائنس داں دن ورات محنت کر رہے ہیں اور آئے دن اُن کے تجربات اور تجاویز سامنے آتی رہتی ہیں، لیکن سردست ہم کسی سائنسی تجربے یا اعداد وشمار کے گورکھ دھندوں پر بات نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی کسی سرکاری حکمتِ عملی کے جھمیلوں میں الجھنا چاہتے ہیں، بلکہ ان سب کے بجائے صرف ایک آسان بات پر زور دیں گے اور یہ کہ ہمیں صرف اور صرف درخت لگانے چاہئیں اور اگر ہمارے پاس جگہ نہیں ہے تو ہم پودوں سے بھی کام چلا سکتے ہیں۔ اس سے ہم موسم کے بے قابو ہوتے جن کو خاصی حد تک قابو میں لاسکتے ہیں۔

ہمارے ملک میں جنگلات کا رقبہ صرف 4.8 فیصد ہے جو بہت کم ہے اور حکومت اسے 2011ء تک بڑھا کر 5.7 فیصد تک پہنچانا چاہ رہی ہے۔ ہر سال حکومت سرکاری سطح پر شجرکاری مہم دھوم دھام سے شروع تو کرتی ہے، لیکن جتنی اکثیر سرمایہ اس پر خرچ ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں نتائج چند فیصد بھی برآمد نہیں ہوتے اور آئندہ سال، جب یہ مہم ایک بار پھر شروع ہوتی ہے تو پچھلے سال کے نتائج قصہ پارینہ سمجھ کر بھلا دیے جاتے ہیں اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔

شجرکاری کے فروغ کے لیے کچھ تجاویز

☆ ہم اقوام متحدہ کے تحت بہت سے ایسے دن بھی مناتے ہیں کہ جن سے ہمارے ملک کا اتنا براہ راست تعلق نہیں ہوتا، تو کیوں نہ ایک دن ایسا بھی منایا جائے، جس کی ابتدا ہمارے ملک سے ہو اور جو ہماری ضرورت بھی ہو۔ جنگلات کی کمی ہمارا ایک تشویش ناک معاملہ ہے اور

سرسبز و شادابی ہر خطے کی خوشحالی کی ضمانت سمجھی جاتی ہے، جبکہ درختوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ پاکستان بھی دنیا کے ان چند ممالک کا حصہ ہے جہاں بلند و بالا پہاڑوں سے لے کر سطح سمندر تک مختلف اقسام کے درختوں پر مشتمل جنگلات قائم تھے۔ مقامی آب و ہوا کے مطابق ہر خطے کے درخت اپنی اہمیت کے باعث نعمت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر صرف دو فیصد حصے میں جنگلات تھے، بعد میں ان میں اضافہ ہوا لیکن اب یہ صورتحال تشویشناک ہے۔ ملک کے شمالی علاقہ جات میں پہاڑوں پر کئی کئی فٹ لمبے درخت ہیں۔ قیمتی عمارتی لکڑیوں کے حصول کے علاوہ نباتات وحیوانات بھی ان کی بدولت پرورش پاتے ہیں۔ دریاؤں، چشموں و دیگر آبی گزرگاہوں کے کناروں کے ساتھ کھڑے درخت خوبصورتی اور ماحولیات کو آلودگی سے پاک کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ سندھ میں بھی جنگلات دیگر خصوصیات کے علاوہ ذریعہ معاش بھی ہیں۔ یہاں کے تین حصوں میں منقسم جنگلات کی تباہی قومی المیے کا درجہ رکھتی ہے۔ اس خطے کے دریائی، ساحلی اور صحرائی جنگلات محکمے کے لالچی اور کرپٹ چوکیداروں کی مبینہ چوری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ دریائے سندھ کے مشرقی و مغربی کنارے کی لاکھوں ایکڑ اراضی کے جنگلات، سندھ کی ہزاروں سالہ قدیم تاریخ و ثقافت کا حصہ تھے، جن کی افزائش مرحوم صدر ایوب خان کے دور میں ہوئی، بعدازاں حکومت اور مقامی وڈیروازم کے تحت معدنی دولت کے حامل جنگلات اپنی جگہ بڑے میدانوں کو جنم دیتے رہے۔ اس بے رحمی کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

بہت زیادہ سرمایہ خرچ کرنے کے باوجود، ہم من پسند نتائج اب تک نہیں حاصل کر پائے ہیں، لہٰذا ہم وقت برباد کیے بغیر، اسی سال سے قومی یا صوبائی سطح پر یومِ شجرکاری منانے کا آغاز کرسکتے ہیں یا کم از کم شہری حکومت تجرباتی طور پر شہر کی سطح پر 'یومِ شجرکاری' منا سکتی ہے۔ مثبت نتائج کے بعد ہم اسے بڑھا کر ہفتہ شجرکاری بھی منا سکتے ہیں۔

☆ اسکولوں کی شمولیت یقینی بنائی جائے اور ان کے درمیان مقابلوں کا اہتمام کیا جائے۔

☆ ٹاؤن ناظمین کو شجرکاری کے ٹاسک دیئے جائیں۔ ناظمین محلوں کی سطح پر اس کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں، خصوصاً خواتین اور بچوں کی شمولیت سے یہ کام ممکن ہوسکتا ہے۔

☆ جامعات بوٹینیکل گارڈن لگائیں، تاکہ ہم ادویاتی پودوں میں بھی خودکفیل ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اسکول اور کالج کے طالب علموں کے لیے ان گارڈنز کے مطالعاتی دوروں کا بھی اہتمام کیا جائے، تاکہ اس حوالے سے ان پودوں کی قدر و قیمت کا شعور پروان چڑھ سکے۔

☆ بلڈرز کو پابند کیا جائے کہ وہ ہاؤسنگ اسکیموں میں درختوں کے لیے جگہ ضرور رکھیں اور جب وہ اسکیم کا اعلان کریں تو اسی وقت درخت لگا دیئے جائیں، تاکہ جب لوگ آباد ہوں تو درخت خاصے بڑے ہوچکے ہوں۔

☆ ہاؤسنگ اسکیموں کے نقشوں میں شجرکاری منصوبہ بھی لازمی قرار دیا جائے۔

☆ ایک دوسرے کو تحفے میں پودے دینے کی رسم قائم کریں، خصوصاً مشہور شخصیات، تاکہ لوگوں کو ترغیب حاصل ہو۔ (اسی سال 5 جون سے اس کا آغاز کیا جائے تو کیا اچھا ہو!)۔

☆ اسپتالوں میں صحت مند ہونے والے مریضوں کو پودوں کا تحفہ دیں، خصوصاً میٹرنٹی اسپتال والے ماں بننے والی ہر عورت کو یہ تحفہ ضرور دیں۔

☆ پارکوں کے لیے خالی پڑی ہوئی جگہوں پر ناظمین علاقے کے لوگوں کے ساتھ مل کر پودے لگا سکتے ہیں۔

☆ نالے اور ندیوں کے پشتوں پر درخت لگائیں۔

☆ اور سب سے اہم بات کہ خواتین کو کچن گارڈن کی ترغیب دی جائے۔ اس حوالے سے ذرائع ابلاغ پر معلوماتی پروگرام دکھائے جائیں، کم جگہوں، مثلاً فلیٹوں میں رہنے والی خواتین بھی بہ آسانی بڑے گملوں میں دھنیا، پودینہ، ٹماٹر، مرچیں اور کریلے وغیرہ کی بیلیں لگا سکتی ہیں۔ اس سے سبزیوں کی قیمتیں بھی اعتدال میں رہیں گی۔

☆ متعلقہ سرکاری محکمے ابتدائی طور پر مختلف پودے اور سبزیوں کے بیج مفت فراہم کرسکتے ہیں۔

☆ شہری حکومت کا محکمہ لوگوں کی رہنمائی کرسکتا ہے کہ وہ کن جگہوں پر کون سے پودے یا درخت لگا سکتے ہیں۔

☆ مختلف ہارٹیکلچر سوسائٹیز اور ایسوسی ایشنز عام لوگوں کے لیے تربیتی کورس کا اہتمام کریں۔

☆ زیادہ سے زیادہ فلاورز شو منعقد کیے جائیں۔

☆ درخت کاٹنے پر سختی سے پابندی عائد ہو اور اس جرم کے ارتکاب پر ابتدائی طور پر جرمانہ اور بعدازاں سزا ہو۔

☆ اگلے سال جب یومِ شجرکاری منایا جائے تو پچھلے سال کے نتائج بھی دیکھ لیے جائیں اور اچھی کارکردگی کے اعتراف میں انعامات اور اعزازات دیئے جائیں۔

(بہ شکریہ: دی نیوز آن سنڈے)

بقیہ: تونسہ بیراج

پنجاب کے وزیر آب پاشی عامر سلطان چیمہ نے بتایا کہ سندھ بچاؤ ترلا اپنے مفادات کے لیے غریب لوگوں کو استعمال کر رہا ہے۔ یہ اچانک ہی نمودار ہوئے ہیں اور خود اپنے لیے رقم حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو غلط استعمال کر رہے ہیں۔ یہ بلیک میل کرنے کے انتہائی سستے حربے ہیں۔ میں نے ان کے نمائندوں کو لاہور آنے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ متعلقہ محکمہ آب پاشی پنجاب سے بات کریں۔ لیکن وہ سستی شہرت کے لیے اسلام آباد میں عالمی بینک کے سامنے مظاہرے کرنے پر بضد ہیں۔

'عالمی بینک آزادانہ انکوائری یا کمیشن قائم نہیں کر سکتا۔ وہ ایک بینک ہے انہوں نے ہمیں بیراج کی تعمیر نو کے لیے تقریباً سود سے پاک قرضہ دس سال کے عرصے کے لیے دیا ہے۔ یہ پنجاب حکومت کا پروجیکٹ ہے اور یہ ہم فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔ میں خود ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہوں اور تمام تفتیش کی ذمہ داری ہماری ہے'۔

وزیر صاحب نے ڈیم میں پڑنے والے حالیہ شگاف کی وجہ سے کسی قسم کے نقصان کی بھی تردید کی اور اسے گمراہ کن پروپیگنڈا قرار دیا 'بیراج یا تعمیر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ شگاف ڈیم کے اس حصے میں آیا جو عارضی طور پر مٹی سے بھرا ڈھانچہ تھا۔ جسے بحالی اور مرمت کے کام کے دورانیے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور اگر کوئی نقصان ہوا بھی ہے تو اس کا خمیازہ ڈسکون ٹھیکیدار بھریں گے۔ ہم نہ تو کوئی اضافی رقم دے رہے ہیں اور نہ ہی ہمیں کسی بڑے اہم التوا کا سامنا ہے۔ اب ڈی جی کینال میں وقت پر پینے کا پانی بہہ رہا ہے'۔

اس دوران ایس بی ٹی کے نمائندے اسلام آباد میں بھوک ہڑتال جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جان وال کا بیان مکمل طور پر بے بنیاد ہے۔ کیونکہ ٹی بی ایم ای آر پی پہلا پروجیکٹ نہیں ہے جس کے لیے عالمی بینک نے فنڈ فراہم کیے ہیں جس کے نتیجے میں لاتعداد سماجی اور ماحولیاتی اثرات پیدا ہوئے۔

(بہ شکریہ: نیوز آن سنڈے)

بقیہ: شہری سرگرمیاں

راستے کی تہہ سے مٹی اور کیچڑ نکالنے کے اخراجات میں اضافہ ہوا ہے۔ ڈی ایچ اے نے بھی سمندر سے زمین حاصل کی ہے جس نے سمندر کے دھارے کو متاثر کیا ہے۔

ایک اور مقرر نے کہا کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد میں زمین اور مکانوں میں نفع بخش منصوبوں پر رقم لگانے کا رجحان جڑ پکڑ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے جب کسی ہاؤسنگ اسکیم کا اعلان ہوتا ہے وہ فوراً ہی بک ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان پلاٹوں یا فلیٹوں کو حاصل کرنے والے نفع کی امید پر اپنی رقم کی سرمایہ کاری کرتے ہیں اس لیے ایک طرف بہت سے پلاٹ اور فلیٹ خالی رہ جاتے ہیں تو دوسری طرف ان کے خواہشمند افراد ایسی جائیدادوں کو خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔

مقررین کا کہنا تھا کہ حالیہ بارشوں نے شہر میں شہری منصوبہ بندی اور ترقی کی انتہائی کمزوریوں اور حماقتوں کی قلعی کھول دی ہے جس کا خمیازہ لوگوں کو ابلتے ہوئے گٹروں، سیلاب زدہ سڑکوں اور گلیوں، بجلی کی معطلی اور مواصلاتی نظام کی تباہی کی صورت میں بھگتنا پڑا ہے جبکہ زیادہ تر سرکاری یا نجی شہری ادارے ایک دوسرے پر تندہی سے الزام تراشی میں مصروف رہے اور کبھی ختم نہ ہونے والے بحران کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہراتے رہے۔

عارف حسن، عارف بلگرامی، رونالڈ ڈی سوزا، ڈاکٹر نعمان احمد، امبر علی بھائی، فرحان انور اور حامد میکر نے اس موقع پر خطاب کیا۔ شہری کے فرحان انور سیمینار کے میزبان تھے۔ ❀❀❀

بقیہ: آزادئ اطلاعات

اور عوامی رسائی کے عمومی قانون کے تحت اطلاعات کی بعض اقسام کو قابل استثناء بنایا جا سکتا ہے کچھ اطلاعات کو سرکاری ادارے قانونی طور پر پوشیدہ و اوجھل رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً:

1- قومی سلامتی

جنگ یا شدید کشیدگی کے دوران جب فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں تو فوجی دستوں، اسلحہ خانوں وغیرہ کی پوزیشن ظاہر نہ کرنا قانونی ہے۔ آزادی اطلاعات کو اصل قومی سلامتی کے مفاد کے درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔

2- نفاذ قانون

زیر تفتیش جرم کے بارے میں عوام کو اطلاعات فراہم نہ کرنا قانونی ہے۔ آزادئ اطلاعات کو جرم کی تفتیش میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔

3- پرائیویسی

کسی فرد کی ذاتی فائل کے مندرجات کو کسی دوسرے فرد کے سامنے ظاہر نہ کرنا ضروری اور قانونی ہے۔ آزادئ اطلاعات کو ایک فرد کے پرائیویسی کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

4- تجارتی رازداری

اگر نئی مصنوعات تکمیل کے مراحل میں ہوں تو کمپنی اس کے بارے میں تفصیلات کو قانونی طور پر روکنے کی مجاز ہے تاکہ دوسری کمپنیاں اس کی نقل تیار نہ کر سکیں۔ قانونی اور جائز تجارتی مقابلے کی راہ میں حق اطلاعات کو آڑے نہیں آنا چاہیے۔

5- عوامی یا انفرادی سلامتی

ایک فرد کی ذاتی سلامتی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کی شناخت کو ظاہر نہ کرنا جائز ہوگا۔ مثلاً کسی گواہ کو تحفظ فراہم کرنا وغیرہ۔ آزادی اطلاعات کو ایک فرد کی سلامتی و تحفظ کو خطرات سے دوچار نہیں کرنا چاہیے۔

6- حکومت کی فیصلہ سازی کی سالمیت اور دیانت کا تحفظ

حکومتی اہلکار اگر کسی معاملے میں کوئی حتمی موقف اختیار نہ کر سکیں تو انہیں متعلقہ بحث و مباحثے کو پوشیدہ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ مثلاً اگر ایک معاملہ کیبنٹ میں زیر بحث ہے اور کسی ایک موقف کو اختیار کرنے کے لیے وقت درکار ہے تو سرکار حکومتی فیصلہ سازی کی سالمیت اور دیانت کے لیے بحث و مباحثے کو راز میں رکھ سکتی ہے۔

7- قانونی استحقاقی اطلاعات

تمام قانونی نظاموں میں کچھ اطلاعات استحقاقی ہوتی ہیں اور شاید ان کو آشکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے سائل اور وکیل کے درمیان بھروسے، رازداری اور عدالتی عمل کی سالمیت اور دیانت کو برقرار رکھنا ہے۔

8- عوامی معاشی مفاد

عوامی معاشی پالیسی کے ایشوز جیسے 'شرح سود' میں تبدیلی کا منصوبہ۔ مثلاً اطلاعات کو ظاہر کرنے سے مجموعی طور پر معیشت اور عوام کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اطلاعات کو راز میں رکھنے کی کسوٹی

اگر ایسا محسوس ہو کہ اطلاعات کا کچھ حصہ ظاہر نہیں کیا جا سکتا تو ایک تین مراحل پر مبنی آزمائش کا اطلاق کرنا ضروری ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ کیا یہ واقعی قابلِ استثناء ہے یا نہیں۔

یہ ٹیسٹ درج ذیل ہے:

1- کیا یہ اطلاع قانونِ آزادی اطلاعات میں خصوصی طور پر بتائے گئے قانونی مقصد سے مناسبت رکھتی ہے؟

2- کیا اسے ظاہر کرنے سے اس مقصد کو مستقل نقصان پہنچ سکتا ہے؟

3- اس کے باوجود بھی کیا اطلاعات کو ظاہر کرنا عوام کے وسیع تر مفاد میں ہوگا؟

ایک اطلاع کو راز میں رکھنے کے کسی بھی فیصلے کی بنیاد مندرجہ بالا سوالات کے جوابات کے تجزیئے پر ہونی ضروری ہے۔ اگر وجوہات موجود ہیں جن کا تعین غیر جانبداری سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض اطلاعات و معلومات کو ظاہر کرنے سے وسیع تر عوامی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو نقصان پہنچنے کے اندیشے کی موجودگی تک اسے پوشیدہ رکھا جاسکتا ہے۔

❀❀❀

بقیہ: کڈنی ہل پارک

ایم کیو ایم اور مذہبی جماعت کے درمیان برسوں پرانی رقابت شاید تنازعے کو ایک نئی سطح پر لے جائے۔ حال ہی میں الخدمت گروپ نے سابق ناظم کراچی کی سربراہی میں سندھ ہائی کورٹ میں کڈنی ہل کی زمین کی فروخت کے خلاف ایک پٹیشن دائر کی ہے۔ جس میں عدالت سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ پارک کے لیے الاٹ کی گئی زمین کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے فوری قدم اٹھائے۔

بیرسٹر نعیم الرحمٰن شہری کی نمائندگی کررہے ہیں۔ وہ اس تازہ ترین پیش رفت کو مثبت انداز میں دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'اگر اس مسئلے میں سیاسی رنگ آتا ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔ یہ حقیقتاً ہمیں ملنے والی دھمکیوں کو بے اثر کردے گا۔ وہ (مخالف پارٹی) اب سخت قسم کے حربے استعمال کررہے ہیں (ہمارے موکلوں کے خلاف) یاد رہے کہ جب دو قوتیں برابر کی ٹکر کی ہوں تو قانون غالب آجاتا ہے۔ اگر آپ ایک مگرمچھ کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو خود بھی مگرمچھ بننا پڑے گا'۔

رضوانہ اسمٰعیل نے وثوق سے کہا کہ 'یہ صرف پیسے کا معاملہ ہے۔ اس تمام معاملے میں 130 بلین روپے ملوث ہیں۔ اگر وہ یہاں ایک ہاؤسنگ سوسائٹی تعمیر کریں جہاں 200 اور 500 مربع گز کے پلاٹ ہوں تو ہر پلاٹ 4 سے 5 کروڑ روپے میں فروخت ہوگا۔ اب خود ہی حساب لگالیں'۔

شہری کا اپنی طرف سے پیچھے ہٹنے کا کوئی عندیہ نہیں ہے۔ شہری کے رونالڈ ڈی سوزا نے کہا 'ہم مقدمہ جاری رکھیں گے۔ یہ ان کی حماقت ہے کہ انہوں نے ہمیں دھمکیاں دیں، جبکہ انہیں معلوم ہے کہ عوامی دلچسپی کے مقدمے کو واپس نہیں لیا جاسکتا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ شہری شہر کی کھلی جگہوں کی حفاظت اور تحفظ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ مافیا دس افراد کو دھمکیاں دے سکتا ہے 15 ملین لوگوں کو نہیں دھمکا سکتا'۔

شہری کے اراکین کے خلاف جان لیوا دھمکیوں کا الزام شاید اس مقدمے کو ایک اور رخ میں تبدیل کردے کہ عام آدمی عوامی دلچسپی کے معاملات سے الگ تھلگ اور دور رہنے پر مجبور ہو جائے۔ شہری کی امبر علی بھائی کو ملنے والی دھمکیوں کے الزامات پر ایف آئی آر درج کرائی گئی ہے اور اس سلسلے میں تفتیش بھی ہو رہی ہے لیکن مقدمے سے امبر علی بھائی کی دستبرداری ظاہر کرتی ہے کہ جب ایسے بلند درجہ مقدمات کا معاملہ ہو تو عورتیں خود کو ایک دشوار اور ناموافق صورتحال میں پاتی ہیں۔

(بہ شکریہ: نیوز آن سنڈے)

شہری کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول۔

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم/فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

''شہری'' میں شمولیت اختیار کیجئے
ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

اگر آپ 'شہری' میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول۔ 206-جی۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون/فیکس: (92-21)4530646 - 4382298

E-mail address:
Shehri@cyber.net.pk * info@shehri.org
(Web site) URL:http//www.onkhura.com/shehri

نام ________ ٹیلی فون (گھر) ________

ایڈریس ________

پیشہ ________ ٹیلی فون (دفتر) ________

شہری کی رکنیت

2007ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ 'شہری' میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

آبی ماحولیاتی نظام کے تحفظ کی ضرورت

یہ کتاب آبی ماحولیات کے تحفظ کی ضرورت کو بھی اجاگر کرتی ہے اور ہماری آبی زندگی اور ماحولیات سے متعلق بہت سے مسائل کی نشاندہی کرتی ہے۔ غیر قانونی طور پر جال سے مچھلی پکڑنے پر پابندی عائد کرنی ہوگی۔ بلا روک ٹوک آلودہ پانی سمندر میں ڈال کر آبی آلودگی، ساحلوں پر ضرورت سے زیادہ مچھلیوں کا شکار، دلدلی جنگلات کی کٹائی اور پانی کو پیچھے دھکیل کر زمین کی بازیابی پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کیونکہ یہ ہمارے لامحدود آبی وسائل کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو معدوم ہوگئے ہیں۔ مقامی غیر قانونی کٹارا۔ بولا اور گجا جالوں کے آزادانہ استعمال نے آبی غذائی زنجیر کو غیر متوازن کر دیا ہے اور اگر اسے فوری طور پر نہ روکا گیا تو یہ حقیقتاً آبی ماحولیاتی نظام کو تباہ کر دیں گے اور آنے والی نسلیں ایک صحتمند بیرونِ خانہ کھیل اور تفریحی سرگرمی سے محروم ہو جائیں گی۔

دیوانِ شہرت

پاکستان سے تعلق رکھنے والے دو پاکستانیوں کی خدمات کو سراہا گیا ہے جنہوں نے کھارے پانی میں مچھلی کا شکار کر کے عالمی ریکارڈ قائم کیے۔ کتاب میں مچھلی کے شکار کے مقامی ریکارڈ قائم کرنے والوں کی فہرست ان کی تصاویر کے ساتھ موجود ہے۔ جس سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ پاکستان میں سمندر میں جا کر مچھلی کا شکار کرنے والے کون کون سے کھلاڑی ہیں۔ کتاب میں مارلن اور ٹونا مچھلی کے مقامی نامی گرامی شکاریوں کا بھی تذکرہ ہے۔

مچھلی کے شکار کے چند گُر

کتاب میں کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے عملی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ قارئین کے لیے مچھلی کے شناختی نام، چارٹس، مچھلی پکڑنے کا سامان، طریقے، تکنیک اور ہمارے سمندر میں مچھلی کی تلاش کے سلسلے میں کیا۔ کب۔ کہاں اور کیسے کے جواب وغیرہ جیسے گُر بتائے گئے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لہروں اور ان کی روانی کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟ پانی کے درجہ حرارت کا علم کیسے ہو؟ سمندری پرندوں کی حرکات وسکنات کا مطلب کیا ہے؟ اور شکار کی ہوئی مچھلی کو کیسے تازہ رکھا جائے۔ سمندر میں بہ حفاظت رہنے اور کھلے سمندر میں قسمت آزمائی کے دوران کیا کریں اور کیا نہ کریں کے بارے میں اچھی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔ ہمیں سمندر میں جا کر ہونے والی تکالیف، عالمی مقامات کی نشاندہی کی نظام کے بارے میں بھی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ پاکستانی ساحل کے سمندری نقشے کے ساتھ ایک مقامی بحری خبرنامہ اور ایک بحری فرہنگ اور ضمیمہ بھی شامل ہیں۔

آبی ماحولیات کے دلدادہ اور شوقین اور کھلے سمندر میں مچھلی کے شکار کے لیے پہلی مرتبہ جانے والے افراد کے لیے مچھلی کی غذائی نفاست اور کھانے میں مزیدار مقامی مچھلی کی اقسام کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ خاندان اور بچوں کے ساتھ مچھلی کا شکار کیسے کیا جائے۔ بچوں کے لیے بھی مچھلی کے شکار کی کچھ معلومات موجود ہیں۔ یہ ایک پُر لطف تصنیف ہے۔ مچھلی کے شکاری کی ذہانت کی آزمائش کے لیے سوال و جواب کا ایک باب بھی شامل کیا گیا ہے۔

تفریح سب کے لیے

آغا اسپورٹ فشنگ اور مصنف کے بارے میں کچھ باتیں

آغا اسپورٹ فشنگ پاکستان میں کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے کھیل کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کا قیام کراچی میں 1985ء میں عمل میں آیا۔ اس کا بنیادی مقصد ملک میں سمندر میں مچھلی کے شکار کو فروغ دینا تھا۔ یہ کھلے سمندر میں مچھلی کے شکار کے کھیل کے مقابلوں کا انعقاد اور مچھلی کے شکار کے بارے میں ہدایات فراہم کرتا ہے۔ جہاز فروخت کرتا ہے اور مچھلی کے شکار کے بارے میں خبرنامہ شائع کرتا ہے جو آبی ماحولیات کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

تنظیم کے پیامی بیان کے مطابق 'آغا اسپورٹ فشنگ کے مقاصد کی بنیاد اس عقیدے اور یقین پر استادہ ہے کہ تمام آبی ماحولیات اپنی دولت یعنی اپنے باسیوں، گیم فش کی اقسام اور متعلقہ غذائی زنجیر سمیت معاشی، سماجی، تفریحی اور جن کا تحفظ، سرپرستی اور فروغ ضروری ہے۔ ان کا وسیع پیمانے پر استعمال جاری و ساری رکھا جانا چاہیے۔ مچھلی کے شکار کا کھیل ایک تفریحی سماجی اور معاشی سرگرمی ہے مستقل محفوظ معاونت، اخلاقی اور تحفظاتی رویوں کے ساتھ اس کھیل کو اختیار کرنے کے لیے عوام کو تعلیم دینا ضروری ہے۔

کمپنی آبی ماحولیاتی نظام سے متعلق ماحولیاتی مسائل پر اپنی آواز بلند کرتی ہے اور ایک صحتمند بیرونِ خانہ سرگرمی اور کھیل کو فروغ دیتی ہے۔

آغا اسپورٹ فشنگ کے چیف ایگزیکٹو آفیسر 56 سالہ سید عزیز آغا ہیں۔ (کھارے پانی میں مچھلی کا شکار کھیلنے کا ان کا تجربہ 35 برسوں پر محیط ہے) وہ پاکستان میں کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے کھیل کے بانی ہیں۔ انہوں نے 1984ء میں کنگ فشرز کلب قائم کیا اور 1999ء میں انہیں امریکہ کی بین الاقوامی گیم فش ایسوسی ایشن کا پاکستان کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔

آغا سمندر کے عشق میں مبتلا ہیں اور آبی ماحولیاتی مقاصد کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے دو مقامی ریکارڈوں کے مالک ہیں (انہوں نے مارچ 2002ء میں ایک 77 پونڈ دیو قامت ٹری ویلی نامی مچھلی کا شکار کیا تھا) دسمبر 2003ء میں انہوں نے مارلن نامی مچھلی کی تینوں اقسام (سیاہ، نیلی اور دھاری دار) کا شکار کر کے پہلے پاکستانی شکاری ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ 1988ء کی اس ٹیم کے رکن تھے جس نے پاکستان کے گہرے پانیوں میں پائی جانے والی پہلی مارلن مچھلی (اولین گیم فش) کو پکڑا اور پھر اس پر نشانی لگا کر دوبارہ پانی میں چھوڑ دیا تھا۔

مصنف کا مشن

لوگوں کے دلوں سے سمندر کا خوف دور کرنا، جوانوں اور بوڑھوں کو گھر سے باہر فطرت کے قریب، صحتمند کھیل اور تفریح کی طرف مائل کرنا، آبی ماحول کی نعمتوں کو سمجھنا، ان کا مطالعہ کرنا اور ان سے لطف اندوز ہونا۔ مچھلی کے شکار کے ذریعے عام شخص بحری حیات کی قدر اور بحری ماحول کے تحفظ کی تربیت دینا جو پاکستان کے شہریوں کے لیے فطرت کا ایک گرانقدر تحفہ ہے جو قدرت نے عطا کیا ہے اور اس سے گریز کریں جو قانون کے منافی ہو۔ ⊛⊛⊛

سمندر میں مچھلی کا شکار: ایک کھیل ایک صنعت

شہری کے ایک رکن سید عزیز آغا سمندر میں مچھلی کے شکار کے کھیل کو فروغ دینے والی اوّلین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے کھارے پانی کے اس کھیل کے بارے میں ایک دلچسپ اور معلوماتی 'رہنما کتاب' تحریر کی ہے جس کے اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

پاکستان میں نمکین پانی میں مچھلی کے شکار کے کھیل کے بارے میں یہ پہلی کتاب ہے جو سندھ اور بلوچستان کے ساحل پر پائی جانے والی مچھلیوں کے متنوع اقسام کے بارے میں مچھلی کا شکار کرنے والے موجودہ اور نئے کھلاڑیوں کو ایک رہنما کی حیثیت سے معلومات فراہم کرے گی۔ یہ بتاتی ہے کہ 1200 کلومیٹر طویل ساحلی پٹی پر قیمتی گیم فش پائی جاتی ہیں جن کا شکار کرنے کے لیے شکاری دنیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہیں۔ ان قیمتی مچھلیوں کی اقسام میں مارلنز (نیلی سیاہ اور دھاری دار) سیل فش، یلوفن ٹونا، بگ ٹائیگر اور ماکو شارک کے ساتھ ساتھ دیوقامت میکرل۔ کوبیا، ماہی ماہی، واہو، باراکوڈا، کوئین فش، دیوقامت ٹریولی، تھریڈفن اور سارامنڈی شامل ہیں۔

پاکستان کو کھارے پانی کی مچھلی کے شکار کے لیے اہم اور بڑے مقام کی حیثیت سے ترقی دینے کے لیے یہ بہت ضروری اور لازمی ہے کہ کراچی یا اس کے نزدیک بنیادی ڈھانچہ تعمیر کیا جائے تاکہ دنیا بھر سے شوقین مچھلی کے شکاریوں کو تفریح فراہم کی جاسکے بنیادی ڈھانچہ پشتوں، جیٹیوں، کشتیوں کی دیکھ بھال کرنے والے احاطوں اور اعلیٰ ترین سہولتوں سے لیس ہوٹلوں کی تعمیر پر مشتمل ہے۔ مبارک نامی گاؤں کراچی سے تقریباً 40 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے یہاں بنیادی استعداد موجود ہے۔ اس لیے اسے گہرے پانیوں کے سمندر مچھلی کے شکار اور آبی تفریحی مرکز کی حیثیت سے ترقی دی جاسکتی ہے۔

مصنف (درمیان میں) اپنے کیے گئے شکار کے ساتھ

عالمی پیش منظر

کھارے پانی میں مچھلی کا شکار دنیا بھر میں ایک مستند آمدنی پیدا کرنے والی صنعت ہے۔ امریکی شہری اس کھیل پر 116 بلین امریکی ڈالر خرچ کرتے ہیں جس میں سے 25 بلین ڈالر صرف کھارے پانی میں مچھلی کے شکار پر خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ میں 60 ملین مچھلی کے شکاری ہیں اور چھ میں سے ایک امریکی مچھلی کا شکاری ہے۔ آسٹریلیا میں 10 ملین اور جنوبی افریقہ میں تقریباً 40,000 مچھلی کے شکاری ہیں۔ امریکہ، آسٹریلیا، ہوائی، گرینڈ کے مین اور ماریشش وغیرہ میں بڑے بین الاقوامی فشنگ ٹورنامنٹ ہوتے ہیں اور سمندر میں مچھلی کا شکار کھیلنے کی طرف راغب کرنے کے لیے شکاریوں کو ایک ملین یا اس سے بھی زیادہ امریکی ڈالر کا انعام دیا جاتا ہے۔

پاکستان کی لامحدود استعداد

پاکستان میں 2004ء میں آنے والے سیاحوں کی تعداد 684,000 تھی (ان میں وہ پاکستانی بھی شامل ہیں جنہوں نے غیر ملکی شہریت اختیار کرلی ہے اور اپنے عزیز واقارب سے ملنے کے لیے وطن آتے تھے) اس برس غیر ملکی زرمبادلہ 185.60 ملین امریکی ڈالر کمایا گیا۔ سیاحت سے متعلق 10 سے 15 بلین امریکی ڈالر کی آمدنی کے مقابلے میں یہ آمدنی تو کچھ بھی نہیں ہے جو ان میں سے کچھ بڑے سیاحتی مقامات مثلاً چین، اٹلی، اسپین، فرانس، انڈیا، ملائشیا وغیرہ ہر سال کماتے ہیں۔ پاکستان نمکین پانی میں مچھلی کے شکار کے کھیل کو واحد سیاحتی صنعت کے طور پر ترقی دے کر اور دنیا بھر سے مچھلی کے شکاریوں کو راغب کر کے بڑی حد تک اپنی غیر ملکی زرمبادلہ کی آمدنی میں اضافہ کرسکتا ہے۔ پاکستان کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے دو عالمی ریکارڈ قائم کرچکا ہے اور کھارے پانی میں مچھلی کا شکار کرنے کے لیے آنے والے سیاحوں (زیادہ تر یورپی) کی کراچی آمد بھی مستقل ہے۔ کتاب میں اس بارے میں ایک پورا باب مختص ہے۔

کھارے پانی میں مچھلی کے شکار کے کھیل کو فروغ دینے کے لیے خدمات

ایک دفعہ بنیادی ڈھانچہ قائم ہوجائے تو آغا اسپورٹ فشنگ اور دیگر پروموٹر مقامی اور غیر ملکی شکاریوں کے لیے مچھلی کے شکار کے بڑے مقابلوں کا انعقاد کرسکتے ہیں اور بڑی انعامی رقم کا اعلان بھی کرسکتے ہیں (اس رقم کا انتظام اسپانسر کریں گے جو اس وقت دیگر بیرونِ خانہ کھیلوں کی سرگرمیوں مثلاً کرکٹ، ہاکی، ٹینس، کار ریسنگ وغیرہ کی سرپرستی کر رہے ہیں) بڑی رقم کمانے کا ایک ذریعہ گیم فش کے لیے آف شور فشنگ چارٹر ہوسکتے ہیں جیسا کہ غیر ممالک میں چارٹر آپریٹر پیش کرتے ہیں۔ یہ مچھلی کے شکاریوں کے بجٹ کے مطابق آدھے یا پورے دن یا دن اور رات کے لیے ہوسکتے ہیں۔